مثنوی فروغ

دارالعلوم دیوبند کی قدیم منظوم تاریخ

مصنفہ

مولانا عبدالکریم فروغ دیوبندی

تحقیق و تعلیق: سید محبوب رضوی

دارالعلوم دیوبند کی قدیم منظوم تاریخ

ذکر مدرسہ
حضرت گنگوہی
مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم
مولانا سید احمد دہلوی
منشی سراج الحق
منشی نذیر احمد
حاجی محمد عابد صاحب
حضرت نانوتوی رح
جامع مسجد
مولوی عبدالخالق
حاجی امداد اللہ صاحب

محمد اللہ
۲۵/۳/۲۰۱۰ء
۸/۴/۱۴۳۱ھ

مثنویٔ فروغ

مصنف ——— حضرت مولانا عبدالکریم فروغ دیوبندیؒ
پیش لفظ ——— حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
طبع اوّل ——— ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء، مطبع نظامی کانپور
طبع دوم ——— ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء، محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند
کتابت ——— مولوی مقبول احمد فاضل دارالعلوم
قیمت ——— تین روپے -/3

طابع و ناشر

ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند

صاحبِ مثنوی حضرت مولانا عبدالکریم فروغ رحمۃ اللہ علیہ میرے حقیقی نانا ہوتے ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند کے اولین فضلاء میں سے تھے، انھوں نے جس زمانہ میں یہ مثنوی لکھی ہے وہ دارالعلوم کی عمر کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا، ان کے قلم حقیقت رقم نے مثنوی میں اس دور کی جو تفصیلات پیش فرمائی ہیں وہ تاریخی حیثیت سے بڑی گراں قدر ہیں، یہ مثنوی حضرت فروغ کے ایک مخلص دوست منشی شاہ میر خاں صاحب متوطن جلال آباد کی قدرشناسی اور توجہ سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی تھی مگر اکابر دارالعلوم دیوبند خصوصاً حضرتِ بانی حجۃ الاسلام الحاج مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کا طریقۂ کار چونکہ نمود ونمائش کی بجائے صرف کام سے کام رکھنے کے اصول پر مبنی تھا، جس کی تہ میں للٰہیت اور خلوص کارفرما تھا، کسی صلۂ وستائش کی خواہش پیش نظر نہ تھی اس لئے مثنوئ فروغ جو سببِ شہرت بن سکتی تھی، عمومی انداز سے منظرِ عام پر نہ آسکی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ منظوم تاریخی سرمایہ عام نگاہوں میں نہ آسکا اور رفتہ رفتہ ذہنوں سے محو ہو کر رہ گیا۔

حق تعالیٰ برادرِ محترم سید محبوب صاحب رضوی محافظ دفتر دارالعلوم دیوبند کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تدوین کے سلسلے سے اس گنجِ گراں مایہ کو ڈھونڈ نکالا، اور ازسرِ نو شائع کرنے پر توجہ دلائی، نیز بڑی کاوش ومحنت سے انھوں نے اس پر مقدمہ لکھا اور مثنوی فروغ میں ذکر کردہ شخصیتوں پر تعارفی نوٹ دیئے جو معلوماتی اور سوانحی نقطۂ نظر سے بڑے قیمتی اور معلومات افزا ہیں، اس طرح سے بہت سی شخصیتوں کو وہ تاریخی میدان میں لے آئے جو ہر آئینہ لائقِ تحسین وستائش اور قابل تبریک وتہنیت ہے، حق تعالیٰ برادرِ موصوف کی اس مخلصانہ سعی وتحقیق کو قبول فرماکر دارالعلوم دیوبند کے لئے نفع بخش بنائے۔

مثنوی فروغ کی ادبی اور تاریخی حیثیت پر کلام کرنے سے خود میں نے اُس نسبی تعلق کی وجہ سے بالقصد گریز کیا ہے جو مجھے صاحبِ مثنوی سے حاصل ہے، مقدمہ میں چونکہ سید صاحب موصوف نے ان سب چیزوں کو بیان بھی کردیا ہے اس لئے قلم لگانا میرے لئے ضروری بھی نہ تھا، ان کو پڑھ کر مثنوی کے قارئینِ کرام خود فیصلہ کرسکتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ کے سلسلے میں اس مثنوی کا شائع ہونا مفید ہی نہیں بلکہ اجلاس کے بارے میں ایک تاریخی ثبوت کا درجہ رکھتا ہے، جس سے یہ معلوم ہوسکے گا کہ اکابر دارالعلوم کی عظمت عوام وخواص کے قلوب میں ابتدا ہی سے جاگزیں ہوچکی تھی، اور دنیا دارالعلوم دیوبند کو ایسی قدر وعظمت

کی نظر سے دیکھنے لگی تھی جو کسی نوخیز ادارے کو کم ہی نصیب ہوتی ہے

وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم!

مثنوی کی زبان گو سو برس پہلے کی ہے مگر پھر بھی آج کی زبان سے زیادہ بعید نہیں، تاہم دیکھنا ان واقعات اور جذبات کا ہے جو پرانے الفاظ کے چولہ میں پیش کیے گئے اور وہی تاریخی سرمایہ بھی ہیں، الفاظ نہیں۔ امید ہے کہ ناظرینِ کرام مثنوی سے بہت کچھ نفع اٹھائیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

محمد طیب غفرلہٗ

رئیس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

۵ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

مثنوی فروغ دارالعلوم دیوبند کی ایک قدیم تاریخ ہے، جس میں نثر کے بجائے منظوم پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی دارالعلوم دیوبند اور اکابر دارالعلوم کے ابتدائی حالات کا دلچسپ مرقع ہے اور چشم دید شہادت ہونے کی وجہ سے مُستند ماخذ اور ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، مثنوی فروغ اُس وقت لکھی گئی تھی جب دارالعلوم دیوبند اپنی عمر کی دوسری دہائی سے گزر رہا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند "مدرسہ اسلامی عربی دیوبند" کے نام سے موسوم تھا، مگر اس "عالمِ طفلی" ہی میں اس کی غیر معمولی مقبولیت اور شہرت و عظمت سے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ نوخیز پودا بہت جلد ایک تناور درخت بننے والا ہے ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ مثنوی نے ان آثار کو پوری فراست اور دور بینی سے محسوس کر لیا تھا، اُنھوں نے اسکی پیش گوئی اس طرح کی ہے ؎

مدرسہ دِیْبَنْ[1] کا ہے، اب لاجواب
اور ابھی آیا نہیں اس پر شباب

عالمِ طفلی میں ہے یہ، اس پہ ابھی
دیکھنا اس کو جوانی میں کبھی

مٹ گئیں سب جہل و بدعت کی رسوم
دیوبند، اب ہو گیا دارالعلوم

[1] مثنوی فروغ میں دِیْبَنْ اور دیوبند دونوں طرح نظم کیا گیا ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

فلسفۂ تاریخ کا نقطۂ نظر اس بارے میں خواہ کچھ بھی ہو، لیکن اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ ہر چیز کے اسباب صرف مادّی ہی نہیں ہوتے بلکہ ماوراۓ مادّہ کچھ اور بھی ہوتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے، اسے اپنی طویل زندگی میں بے شمار مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، مگر مشیّتِ ایزدی بر وقت دارالعلوم کی دست گیری کرتی رہی ہے، چناں چہ اس کا ہر قدم ترقی کی جانب گامزن رہا ہے اس کی خواہ کچھ بھی توجیہات کی جائیں، مگر پیش آمدہ ثمرات و نتائج کو بہر حال تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے، صاحبِ مثنوی نے دارالعلوم دیوبند کے متعلق ایک صدی قبل جو توقعات قائم کی تھیں بحمد اللہ وہ ایک ایک کر کے پوری ہو چکی ہیں، اور اب یہ نوخیز پودا ایک تناور درخت بن چکا ہے۔

مثنوی فروغ سے دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی زمانے کے درس و تدریس کی عظمت، تعلیم و تعلّم کی کیفیت، دارالعلوم کی دینی حلقے میں شہرت و مرکزیت، دارالعلوم کے اساتذہ کا علمی تبحّر، دارالعلوم کے بزرگوں کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ، خلوص و للّٰہیت کے علاوہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) عوام تو عام طور پر دِیُبَن ہی بولتے ہیں، مگر کبھی کبھی اہلِ علم بھی دیوبند کے بجائے ضرورتِ شعری سے دِیُبَن نظم کرتے ہیں، مولانا فضل الرحمن رح (والد ماجد مولانا شبیر احمد عثمانی رح) نے اپنے ایک قصیدے میں دِیُبَن ہی لکھا ہے، شعر یہ ہے؎

ہے یہ دار العلم، شاہا یادگارِ مسلمیں
کور دہ دِیُبَن ساجس سے رشکِ شہر طوس ہے

مولانا فضل الرحمن کی ایک مثنوی کا تاریخی نام "قصہ غم دِیُبَن" ہے، تفصیل کیلئے تاریخِ دیوبند سے مراجعت کیجیے۔

عام مسلمانوں کے دلوں میں اُن کے جذبۂ ایثار اور قدر و منزلت کی نسبت جو گہرے عقیدت مندانہ تصورات قائم تھے اُن کا ایک ایسا مرقع سامنے آتا ہے جو کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔

قیام دارالعلوم کے ابتدائی زمانے ہی میں جہاں دیوبند کے اطراف و جوانب کے علاوہ ملک کے دور دراز خطّوں سے طالبانِ علم دین آنے شروع ہو گئے تھے، وہیں دارالعلوم دیوبند کی مالی امداد کرنے والوں میں دور دراز مقامات کے اہلِ خیر کے شامل ہو جانے سے دارالعلوم دیوبند کو علمی اور تعلیمی لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

مثنوی فروغ کی وجہ تصنیف

مصنف نے مثنوی فروغ کی وجہ تصنیف بتاتے ہوئے لکھا ہے؎

اور اطراف و جوانب میں ہیں جو
استعانت مال سے کرتے ہیں وو

غیر ملکوں کے بہت سے دین دار
جان و دل سے اسکے ہیں خدمت گذار

چاہتا ہوں میں کبھی کچھ خدمت کروں
زر نہ ہونے سے مگر مجبور ہوں

اس سبب سے میں نے اے عالیجناب
مدح لکھی تاکہ حاصل ہو ثواب

سب تو دیتے ہیں وہاں مال کثیر
پاس میرے ہے یہ تحریر حقیر

گو نہیں مجھ کو سخن میں کچھ شعور
شاعری سے ہوں میں صدہا کوس دور

اس کو لکھا ہے مگر بہرِ ثواب
نظم ہے مہمل کہو یا لاجواب

مثنوی فروغ میں دارالعلوم دیوبند کے حالات کے علاوہ بزرگانِ دارالعلوم میں شیخ المشائخ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ

بانیٔ دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح، حضرت حاجی محمد عابد دیوبندی رح، حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندی رح اور حضرت مولانا سید احمد دہلوی رحمہم اللہ اور دوسرے اراکین دارالعلوم کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے ہیں، مناقب کے ضمن میں کچھ ایسی باتیں بھی آگئی ہیں جن سے ان حضرات کے ایسے حالات معلوم ہوئے ہیں جن کا اب تک علم نہ تھا۔

یہ مثنوی دارالعلوم دیوبند کی سب سے زیادہ قدیم منظوم تاریخ ہے، سالانہ رودادوں کے علاوہ اُس زمانے کی اور کوئی تاریخ موجود نہیں ہے، مثنوی فروغ ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۵ء میں مطبع نظامی کانپور میں چھپی ہے مگر مطبوعہ ہونے کے باوجود نایاب ہو چکی ہے اور اس کے نسخے شاذ و نادر ہی کہیں دستیاب ہوتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں بھی اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے، جو اردو ادب کی فہرست میں ۳۵/ ۸۸۷۶۹ پر درج ہے۔

مثنوی فروغ کے آخری اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ تصنیف کے کئی سال کے بعد چھپنے کی نوبت آئی ہے، لکھا ہے ؎

میں نے یابی میں یہ لکھ کر مثنوی　　شوق دل سے آرزوئے طبع کی
پیر و مرشد نے کیا جب انتقال　　روح کو میری ہوا صدمہ کمال
طبع ہونا کیسا اور کیسی کتاب　　محو دل سے ہو گیا آرام و خواب

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ میرے ایک کرم فرما منشی محمد شاہ میر خان متوطن جلال آباد نے جو یہاں ریاست میں مقیم ہیں، مثنوی کے طبع کرانے

کے لئے اصرار کیا اور خود ہی مطبع نظامی کو توجہ دلائی، لکھا ہے ؎

پھر انھوں نے ازرہِ لطف و کرم　　خط کیا مطبع نظامی کو رقم
اُن کے چھپنے کیلئے واں کو لکھا　　آخرش بر آیا دل کا مدعا
اُن کے الطاف و توجہ سے چھپی　　نذر کرتا ہوں اسے احباب کی

دارالعلوم دیوبند کے علاوہ جامع مسجد کی تعمیر کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں، یہ مثنوی کم و بیش ۷۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔

مثنوی فروغ دارالعلوم دیوبند کی اولین تاریخ ہے، مگر عجیب بات ہے کہ ۹۵ سال سے یہ کتاب گوشۂ گم نامی میں پڑی ہوئی تھی، جس کا سبب یہ ہے کہ اکابر دارالعلوم دیوبند کی روش ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ اپنے کام کو شہرت دینے کے بجائے محض کام سے سروکار رکھا جائے، انھوں نے زمانے کی عام روش کے مطابق یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اپنے مہتم بالشان کارنامے کو ضبطِ تحریر میں لاکر فخر و مباہات کا سرو سامان مہیا کیا جائے، اُنھوں نے محض سالانہ رودادوں کی اشاعت کو کافی سمجھا اور یہ بھی صرف اس لئے کہ دارالعلوم دیوبند کے ہمدردوں کو یہ معلوم ہوتا رہے کہ ان کا چندہ ضائع نہیں ہو رہا ہے اور یہ کہ قوم نے اپنے جن نونہالوں کو دارالعلوم کی آغوشِ تربیت میں دیا ہے، اُن کے تعلیمی نتائج کیا ہیں، اس لئے روداد میں چندے کی آمد و صرف اور طلبار کے تعلیمی نتائج کو پیش کر دینا کافی سمجھا گیا، واقعات کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ کیا گیا کہ کوئی اہم واقعہ پیش آیا تو اُس کا سرسری طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔

غرض کہ اکابر دارالعلوم دیوبند کے خلوص و للّٰہیت، شہرت سے بے نیازی اور تعلیمی و تدریسی مشاغل میں غائت انہماک اور مخلصانہ جذبۂ عمل نے مثنوی فروغ کی اشاعت کو اپنے اور دارالعلوم کے لئے پسند نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مثنوی رفتہ رفتہ گم نامی کی نذر ہو گئی۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی توجہ فرمائی سے اس قدیم تاریخی دستاویز کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے، حضرت ممدوح کے الفاظ میں:۔

"دارالعلوم دیوبند جس جماعت کے ہاتھوں میں رہا اُس کا اصول ہی یہ تھا کہ کام زیادہ ہو اور اظہار کم، لیکن اب مصالح کا تقاضہ ہے کہ دارالعلوم نے جو کچھ کیا ہے اس سے باہر والوں کو بھی روشناس کرایا جائے تاکہ ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کی آئندہ لکھی جانے والی تاریخ کے لئے مواد فراہم ہو سکے، اور اسی کے ساتھ ان غلط فہمیوں کو دُور کیا جائے جو دارالعلوم کے متعلق مختلف وجوہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقے یا عام مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں، یہ زمانہ لٹریچر اور تصنیف و تالیف کا ہے اگر خدام دارالعلوم اپنی قناعت پسندانہ اور متواضعانہ روش کے مطابق اس دور کے تقاضے سے بے اعتنائی برتتے رہے تو ممکن ہے کہ یہ بات ہمارے مزاج اور وضع کے اعتبار سے تو چنداں نقصان دہ نہ ہو، مگر

آنے والی نسلوں کے حق میں مفید نہ ہو گی اور وہ برصغیر کے مسلمانوں کے اس وقیع دینی، علمی اور ثقافتی کارنامے کو صحیح طور سے پہچاننے سے قاصر رہیں گی، جس کی قدر و قیمت آج سے زیادہ کل محسوس کی جانے والی ہے[1]"!

مثنوی فروغ کا مصنف

مولانا عبدالکریم فروغ دیوبند کے رہنے والے تھے، ان کے والد کا نام مولوی عبدالرحیم تھا، دیوبند کے قریب جانب جنوب تین میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا قصبہ املیا واقع ہے، یہاں صدیقی شیوخ کا ایک معزز علمی خاندان بارہویں صدی ہجری کے اواخر سے آباد ہے، مولانا عبدالرحیم اسی املیا کے رہنے والے بزرگ تھے، ان کے دو فرزند تھے، مولانا حافظ عبدالکریم فروغ اور مولوی فضل عظیم، ان دونوں حضرات نے دیوبند کے محلہ دیوان میں سکونت اختیار کر لی تھی مولانا فروغ کا شجرۂ نسب پانچ پشتوں تک ملتا ہے، جو یہ ہے۔

مولانا عبدالکریم بن مولوی عبدالرحیم بن مولوی حافظ محمد حیات بن شیخ قادر بخش بن شیخ مراد بخش بن شیخ محمد عاشق۔

شیخ محمد عاشق دیوبند سے ترکِ وطن کر کے املیا میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔

مولانا عبدالکریم فروغ نے ۱۲۹۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے

---

[1] پیش لفظ تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم ص ۹-۱۰!

فراغت حاصل کی، دار العلوم دیوبند میں داخلے کے لئے اپنے نفس کو
اس طرح متوجہ کیا ہے ؎

مدرسے میں علمِ دیں تحصیل کر — خدمتِ حضرت میں رہ شام و سحر
دیکھ مجمع ہے وہاں کیسا عجیب — جمع ہیں واں کیسے کیسے خوش نصیب
عمر کو تو ان کی صحبت میں گذار — تو بھی تا بن جائے کامل دیندار

دار العلوم سے فراغت کے بعد مولانا عبدالکریم فروغ جودھپور
چلے گئے اور وہاں ریاست میں ملازم ہو گئے۔ ریاست جودھپور میں
ان کا قیام قصبہ پالی[1] میں رہا اور وہیں رہتے ہوئے انھوں نے مثنوی
فروغ لکھی، خود اُن کا بیان ہے ؎

میں نے پالی میں یہ لکھ کر مثنوی — شوقِ دل سے آرزوئے طبع کی

دوسری جگہ لکھتے ہیں ؎

مشتعل ہے آتشِ شوق اس قدر — دل بُھنا جاتا ہے جس سے اور جگر
مثلِ طائر ہوں میں اور پالی قفس — اُڑ تو جاؤں پر نہیں کچھ اپنا بس
بختِ بد نے کر دیا ایسا تباہ — ہو گیا دینِ مجھے برسوں کی راہ

مولانا عبدالکریم فروغ، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ
مہتمم دار العلوم دیوبند کے حقیقی نانا تھے۔ وہ حضرت مولانا محمد یعقوب
نانوتویؒ کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے، خود لکھتے ہیں ؎

[1] پالی ریاست جودھپور کا پہلے ایک قصبہ تھا، مگر اب ضلع بن چکا ہے، یہ ایک صنعتی شہر ہے اور
مرفہ حال مسلمانوں کی بستی ہے، یہاں کپڑے کے کئی کارخانے ہیں، پالی میں ایک بڑا مسافر خانہ
بھی ہے، پالی ریلوے لائن پر واقع ہے۔

تھا عجب کچھ ذکر وہ لذت فزا — پیر و مرشد مولوی یعقوب کا

افسوس ہے کہ مثنوی فروغ کے علاوہ ان کا دوسرا کلام دستیاب
نہیں ہو سکا، مولانا عبدالکریم فروغ کے انتقال کی تاریخ معلوم
نہیں ہو سکی، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کی عمر زیادہ نہیں ہوئی
سنہ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء) کے لگ بھگ انھوں نے متھرا میں وفات پائی،
اور وہیں مدفون ہیں۔

تاریخی واقعات کو نظم کا جامہ پہنانا آسان نہیں ہے، مثنوی
فروغ کا ہر شعر رواں دواں ہے، جس سے فروغ کے قادر الکلام
شاعر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، ان کے کلام میں شگفتگی، پختگی
اور قوتِ بیان پائی جاتی ہے، قوافی میں آمد اور برجستگی ہے، یہ
مثنوی مصنف کے دار العلوم دیوبند اور اکابر دار العلوم کے ساتھ
والہانہ عقیدت و تعلق کی آئینہ دار ہے۔

مثنوی کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ اس میں کوئی داستان نظم
کی جائے، حمد، مناجات، نعت، منقبت، مدح اور وجہ تصنیف
وغیرہ مضامین مثنوی کے ضروری اجزاء ہوتے ہیں، اس کے علاوہ
مثنوی میں رزم، بزم، تصوف و اخلاق وغیرہ مضامین بھی بیان
کئے جا سکتے ہیں، مثنوی کے لئے پوری نظم کا ایک ہی بحر میں ہونا
ضروری ہے۔

مثنوی فروغ میں یہ سب اجزاء موجود ہیں، واقعہ نگاری میں
روانی اور تسلسل ہے، مثنوی کا ہر شعر رواں دواں ہے جس سے مولانا
فروغ کے قادر الکلام اور نغز گو شاعر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اُن کے

کلام میں روانی بھی ہے اور بے ساختگی بھی۔ قوافی میں آمد اور برجستگی ہے، مولانا عبد الکریم فروغ کی یہ مثنوی دار العلوم اور اکابرِ دار العلوم سے اُن کے والہانہ تعلق کی مظہر اتم ہے۔

راقم السطور نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ مثنوی فروغ میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے اُن کا مختصر طور پر تعارف کرا دیا جائے، مگر افسوس ہے کہ ان میں متعدد حضرات ایسے بھی ہیں جن کے متعلق تلاش و تجسس کے باوجود کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا، مثنوی کی تصنیف پر قریب قریب ایک صدی گزر چکی ہے اور اُس عہد کی کوئی شخصیت اب موجود نہیں ہے۔

چند ایسے اشعار جن کا دار العلوم کی تاریخ سے کوئی تعلق نہ تھا اُنھیں حذف کر دیا گیا ہے تاکہ واقعات کا تسلسل برقرار رہے، نظامی ایڈیشن میں جہاں کہیں کتابت کی غلطی نظر آئی اُسے درست کر دیا گیا ہے۔

تاریخ دار العلوم دیوبند دو ضخیم جلدوں میں طبع ہو چکی ہے، راقم سطور بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہے کہ ربّ السمٰوات والارض نے اپنے بے پایاں فضل و کرم سے اس ہیچمداں کو تاریخ دار العلوم دیوبند کی عظیم اور اہم ترین خدمت کے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی، ورنہ اس قدر دشوار اور عظیم و اہم کام کا پایۂ تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا۔ مثنوی فروغ کی تحقیق و تعلیق اسی سلسلے کی دوسری کڑی ہے، خدا کرے کہ دار العلوم دیوبند پر کام کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہے اور آئندہ باصلاحیت اہلِ قلم اس ضروری اور مہتم بالشان کام کو زیادہ بہتر طور پر انجام دے سکیں اور اس موضوع پر گراں قدر معلومات کا اضافہ کریں۔

وباللہ التوفیق۔!

سید محبوب رضوی

۳۰ جمادی الاول ۱۳۹۸ھ

۲۹ اپریل ۱۹۷۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحمید و تمہید

اے زمین و آسماں کے بادشاہ — میرے اور جملہ خلائق کے الٰہ

حمد کے لائق ہے تیری پاک ذات — ہے سزائے حمد تو اے خوش صفات

حمد ہے تیرے لئے اے کبریا — گو نہ ہووے حمد وہ مجھ سے ادا

حمد تیری اے احد بس ہے وہی — آپ جو کچھ تو نے اپنی حمد کی

ہے تو ہی لاریب اے جاں آفریں — مالکِ ملکِ سماوات و زمیں

گر کہوں برتر ہے سب سے تیری شان — ہے غلط فہمی یہ میری بے گمان

کون ہے تیرے سوا وہ دوسرا — جس کو ہو کچھ تیرے آگے مرتبا

کون ہے تیرے سوا عالم میں وہ — چشمِ عزت سے جو دیکھے آپ کو

کون ہے جو تیرے آگے دم بھرے — ایک دم میں تو جو کچھ چاہے کرے

ہر جگہ یارب ترا ہی راج ہے — جز ترے جو ہے ترا محتاج ہے

زیب دیتی ہے تجھے شاہنشہی — ہے ترے قبضے میں زشتی و بہی

میں جو شاہنشاہ کہتا ہوں تجھے — اے مرے خالق فقط اس واسطے

جو زباں تو نے مجھے تعلیم کی — اُس میں لفظ اس سے نہیں بہتر کوئی

ورنہ کل القاب سے تو اے خدا — ہے ورا ثم ورا ثم ورا

موجدِ آفاق و انفس ہے تو ہی
برتر از ادراک ہے قدرت تری

اپنی مخلوقات پر اے ذوالکرام
نعمتیں تو نے جو فرمائی ہیں عام

ہے ہر اک اون میں سے ایسی بے بہا
شکر جس کا ہو نہیں سکتا ادا

سب سے عمدہ کی ہے یہ نعمت عطا
بھیجے دنیا میں رسول اور انبیاء

خاص کر پیغمبرِ ختم الرسل
پیشوا و مرشد و ہادی کل

رہنما و واقفِ اسرارِ حق
وجہ فخر انبیائے ماسبق

میری جانب سے تو اے ربِ ودود
اوس رسولِ پاک کو پہنچا درود

اوس کے اوپر لاکھوں صلوات و سلام
ہوں مری جانب سے تا روزِ قیام

اللّٰہم صلّ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد و بارک و سلم بعدد کل معلوم لک

سر کیے گردن کشوں کے اوس نے خم
دین پھیلایا عرب سے تا عجم

ہے اوسی کا فیض جو ہندوستاں
ہے فضائے دیں سے مثلِ بوستاں

اور اس ہندوستاں میں ہے دیوبند
دیں میں رکھتا ہے وہ رتبہ بلند

جس سے واقف ہے ہر اک چھوٹا بڑا
فیض سب کو وہاں سے ہے حاصل ہوا

صالحوں کا ہے بہت اوس جا ہجوم
ہوتے ہیں حاصل وہاں دیں کے علوم

یارب اوس بستی کو تو آباد رکھ
جو وہاں رہتے ہیں اون کو شاد رکھ

ہیں بہت بندے ترے صالح وہاں
متقی و رہنمائے گمرہاں

غیر دیں مقصود اون کا کچھ نہیں
کرتے ہیں تلقین سب کو علم دیں

مدرسہ ہے ملتِ اسلام کا
اور وہاں لنگر ہے تیرے نام کا

ہیں مسلماں جس قدر وہاں اے صمد
جان و دل سے اوس کی کرتے ہیں مدد

اور اطراف و جوانب میں ہیں جو
استعانت مال سے کرتے ہیں وہ

غیر ملکوں کے بہت سے دیندار
جان و دل سے اوس کے ہیں خدمتگزار

ہر طرح کرتے ہیں سب کوشش مزید
لیتے ہیں اوس کے عوض جنت خرید

چونکہ اہلِ مدرسہ اور مدرسہ
ہیں بہت محبوب مجھ کو یا خدا

اُنس ہے جو کچھ مجھے تو ہے خبیر
جانتا ہے تو مرا ما فی الضمیر

چاہتا ہوں میں بھی کچھ خدمت کروں
زر نہ ہونے سے مگر مجبور ہوں

ہو سکی مجھ سے نہ کچھ ایسی سبیل
مدرسے میں دوں جو مقدارِ قلیل

اس سبب سے میں نے اے عالیجناب
مدح لکھی تا کہ حاصل ہو ثواب

سب تو دیتے ہیں وہاں مالِ کثیر
پاس میرے ہے یہ تحریرِ حقیر

نذر کرتا ہوں تری فرما قبول
اور بضاعت کی کمی سے ہوں ملول

دین کی اور جملہ اہلِ دین کی
گر محبت تو مرے دل میں قوی

اور مجھے اے بادشاہِ بحر و بر
اپنے گنجِ غیب سے کچھ بخش زر

فارغ البالی سے تا ہووے بسر
تیری طاعت میں رہوں پھر عمر بھر

مال تو مجھ کو خدایا کر عطا
مال میں لیکن نہ دینا دل لگا

مال کا یارب میں کرتا ہوں سوال
دین حاصل جس سے ہووے وہ مال

ہووے تا جمعیتِ خاطر بہم
یاد میں تیری رہوں بے رنج و غم

فکرِ دنیا دی تو دل میں ہو نہیں
رات دن ہو میرے دل میں فکرِ دیں

ہے یہی میری تمنا یا خدا
مدرسے کا اپنے صدقہ کر عطا

آغازِ سخن بذکرِ مستحسن مدرسہ اسلامی دیوبند(۱)

دیوبند اک شہر ہے مشہور تر(۲)
کشورِ ہندوستاں میں نامور

چونکہ رکھتا ہے ثقالت بھی یہ نام
بولتے ہیں اُس کو دیبن بھی عوام

کچھ نہیں دہلی سے اوسکو فاصلہ
دل ہے میرٹھ اور سہارنپور کا

ریلوے جو ہے سڑک پنجاب کی   جانبِ لاہور دہلی سے گئی
جاتی ہے ہوتی ہوئی دیبَن کو وو   پڑتا ہے رستے میں وہ شہر نکو
وہ شرف اوس شہر کو حق نے دیا   مدح جو کیجاوے اوس کی ہے بجا
ہے وہاں اک مدرسہ اسلام کا   جس نے دی آئینۂ دیں کو جلا
ہند میں یوں اوس کو عز و جاہ ہے   جس طرح دنیا میں بیت اللہ ہے
واقفِ دیں کر دیا ہر ایک کو   جہل کی رسمیں گئیں سب محو ہو
ہاتھ سے بھی جو نہ چھوتے تھے کتاب   بن گئے ہیں اب وہ فاضل لاجواب
خانداں میں جن کے بالکل جہل تھا   تھا نہ پشتوں میں کوئی جن کے پڑھا
اب وہ ہیں صہبائے علمیت میں چور   سر سے پا تک ہے برستا اُن پہ نور
نام سے جو علم کے بے علم تھے   اب وہی حُفّاظ و علّامہ ہوئے
غیر ملکوں کے بھی صدہا آدمی   بن گئے یاں آکے عالم متقی
وجہ سے اس مدرسہ کے دُور دُور   آفتابِ دین کا پہنچا ہے نور
بہرِ تعلیم اک مکانِ پُر فضا   فضل سے مولا کے ایسا بن گیا
دیکھنے سے جس کے ہو دل کو سرور   اوس نمونہ کا نہ نکلے دور دور
چار جانب ہیں مکاناتِ رفیع   دل کش و با رونق و خوب و وسیع
بیچ میں ہے ایک پاکیزہ چمن   بہجت افزائے سرورِ روح و تن
درس گاہوں کو جا کر دیکھیے   جی نہ چاہے واں سے اٹھنے کیلئے
جب مدرس بیٹھ کر کے اپنی جا   درس دیتے ہیں علوم دین کا
سُن کے تفسیر اور حدیثوں کے سبق   آنے لگتی ہے نظر اک شانِ حق
لذتوں سے اس قدر جاتا ہے بھر   قلب میں رہتی نہیں فکرِ دگر
اس مزے کو جانتا ہے میرا جی   ہے طبیعت میں مرے اب تک وہی

طبع کو یاد آتے ہیں وہ ہی مزے   تلملاتی ہے اونھیں کے واسطے
اون مزوں کا ذکر جو اب آگیا   زخم پر گویا نمک چھڑکا گیا

مناجات

اے خدائے قادرِ نعم المجیب   پھر کبھی ہوں وہ لذتیں مجھکو نصیب
پھر کبھی اوس مجمع میں ہو میرا گذر   ہو وہ کیفیت بہم بارِ دگر
یاں ترستا ہوں میں جس کے واسطے   پھر میسّر ہو وہی لذّت مجھے
مجھ کو پہنچا دے وہاں اے ذوالجلال   اور اوٹھا دل سے حجابِ انفعال
ہوں جرائم کے سبب میں منفعل   سامنے جانے سے ہوتا ہوں خجل
صالحوں میں بدکوئی جاتا ہے جب   سر جھکاتا ہے ندامت کے سبب
دیکھ کر طاعت کا اون پر حُسن و نور   اپنی صورت سے وہ ہوتا ہے نفور
چاہتا ہے دل سے تو اون کا وصال   مانعِ صحبت ہے لیکن انفعال
گر یہ مانع درمیاں سے ہووے دُور   مستفیض اوس وقت ہو اون سے ضرور
اس لئے کرتا ہوں میں یا رب سوال   دے اوٹھا دل سے حجابِ انفعال
پاک کر دے میرے دل کو اے صمد   تا نہ ہوویں مجھ سے پھر اعمالِ بد
پہلے قابل مجھ کو اوس مجمع کے کر   پھر مجھے پہنچا وہاں اے دادگر
تا کہ ہوں صحبت سے اونکی فیضیاب   مطمئن ہووے دلِ پُر اضطراب
میں جو اس مجمع سے یا رب دور ہوں   تجھ کو خود معلوم ہے مجبور ہوں
ورنہ میرا بس اگر ہووے کہیں   چل کے میں اِس ملک سے دم لوں وہیں
واں پہنچنا ہے مجھے دشوار تر   ہے فقط اک تیری رحمت پر نظر
تو اگر چاہے تو میں اے مستعاں   ایک ہی دن رات میں پہنچوں وہاں
اس طرف سے پھر کے اب میرا قلم   مدرسے کا حال کرتا ہے رقم

رجوع بذکر مدرسہ

طالبانِ دیں کا ہے ایسا ہجوم — ہر مکاں میں رہتے ہیں اہلِ علوم
شہر میں ایسی نہیں ہے کوئی جا — جس جگہ اون کا نہ ہو بستر جما
اون کے رہنے سے ہے برکت کا ظہور — بن گیا ہے ہر مکاں دار السرور
ہیں تہِ دل سے سب اہلِ دیوبند — مستعدِ خدمت کو مثلِ دردمند
رہتے ہیں اون کے لیے سب غمگسار — اون کی حاجت میں شریکِ کاروبار
اور بھی گو مدرسے اسلام کے — مختلف شہروں میں ہیں قائم ہوئے
ہے مگر جو بات اس میں وہ کہاں — غور کی عالی ہے نہایت مدرسے شاں
خوبیِ تعلیم کے شایق ہیں جو — واں سے آتے ہیں یہاں تعلیم کو
مدرسے تھے دیں کے اون شہروں میں کب — ہو گئے قائم فقط اس کے سبب
وہ ہیں حجرات اور یہ بیتِ عظیم — وہ فروعات اور یہ ہے اصل اے ندیم
نسبت اب اس مدرسے سے اون کو کیا — فرق اس میں اون میں ہے بے انتہا
فرق ہے تقلید اور ایجاد میں — فرق ہے شاگرد اور استاد میں
جو شرف خالق نے دیُبن کو دیے — وہ فقط اس مدرسے کی وجہ سے
مٹ گئیں سب جہل و بدعت کی رسوم — دیوبند اب ہو گیا دار العلوم
جمع ہوں کیونکر نہ واں سب خوبیاں — عالمانِ دیں کا مجمع ہے وہاں
کیوں نہ ہو رونق کہ ہے شام و سحر — رونقِ اسلام ہر سو جلوہ گر
سب وہاں رہتے ہیں دن میں رات میں — مسجدوں میں ذکر میں طاعات میں
سامنے رہتی ہیں سب کے روز و شب — فقہ تفسیر اور حدیثوں کی کُتب
ترمذی کا درس ہوتا ہے کہیں — ہے کوئی مشکوٰۃ سے نعم القریں
اور کوئی شایق جھکائے اپنا فرق — مطلبِ تفسیرِ قرآں میں ہے غرق

ہو کے محنت سے کوئی مغلوبِ خواب — سو گیا لیکن ہے سینے پر کتاب
ہے کوئی مصروفِ قرآن و نماز — ذکر میں ہے کوئی با سوز و گداز
اور لگاتا ہے کوئی ہر صبح و شام — ضربِ الا اللہ کی دل پر مدام
اور خلوصِ دل سے کوئی مردِ متقی — کر رہا حجرے میں ہے ذکرِ خفی
ہے جماعت صالحوں کی جمع واں — ہو سکیں اوصاف کب اون کے بیاں

ذکر حضرت مولوی رشید احمد صاحب مدظلہ العالی (۳)

سرپرست اس مدرسے کے اے فروغ — وہ ہیں جن کو دینِ حق میں ہے فروغ
مفتیِ برحق محدثِ مستند — عارف و مقبولِ درگاہِ صمد
رکھتے ہیں تشریف وہ گنگوہ میں — دل سے شامل ہیں پر اس انبوہ میں
بہرِ اصلاح و برائے انتظام — مدرسے میں آتے رہتے ہیں مدام
مدرسے کے جس قدر ہیں کاروبار — رائے پر اون کے ہے کُل دار و مدار
دین میں رکھتے ہیں ایسا مرتبہ — ہے میسر ان کو وصلِ مصطفےٰ
کیوں نہ حاصل ہو اونھیں وصلِ نبی — عابد و زاہد ہیں وہ اور متقی
نام میں بھی اون کے اے مردِ سعید — لفظ سے احمد کے ملحق ہے رشید
آج وہ مسند نشینِ ملکِ دیں — ہم صفت اپنا کوئی رکھتے نہیں
عالم و فاضل فقیہِ بے بدل — صوفیِ یکتا محدث با عمل
جتنے ہیں خُلقِ نبیِ مجتبیٰ — اون کو سب سے حصۂ وافر ملا
سنتِ نبوی ہیں افعال و کلام — ہیں وہ حضرت شرع کی صورت تمام
باوجود اس کے کہ وہ لیل و نہار — کرتے ہیں جہد و ریاضت بے شمار
طالبانِ علم کی تدریس بھی — ایک مدت سے ہے عادت آپ کی
طالبِ علمِ احادیثِ رسول — آپ سے کرتے ہیں یہ دولت حصول

سنتِ نبوی پہ اس درجہ قیام
طاعتوں پر اس قدر اون کو دوام

جس قدر ہے شغل یا وردِ آپ کا
اوس میں کیا ممکن جو ہو لغزش ذرا

اون کی صحبت ہے اثر اکسیر کا
جو رہا اوس میں وہی کندن بنا

کہتے ہیں اکثر ندیم و ہم جلیس
ہے غنیمت آپ کا نفسِ نفیس

واقعی وہ لوگ ہیں سب خوش نصیب
آپ دل میں ہو گئے جن کے حبیب

حُبِّ دین و حُبِّ حق حُبِّ نبی
ہے غرض سب کچھ محبت آپ کی

اُنس اون سے داخلِ ایمان ہے
بغض اون سے عادتِ شیطان ہے

ہو گیا جو آپ سے جا کر مُرید
شک نہیں اسمیں وہ ہے بیشک سعید

وعظ گر سُنیے کسی دن آپ کا
جان و دل کو اوس میں آتا ہے مزا

رُوح ہو جاتی ہے سُنکر بے قرار
دل تڑپنے لگتا ہے سیماب وار

تند ہے یا آپ کی تقریر ہے
کیا اثر ہے جانئے کیا تاثیر ہے

یا زبانِ پاک کا ہے کچھ سبب
بولتے ہیں اوس سے وہ پاکیٔ رب

یا کلامِ مصطفٰے کا کچھ اثر
چھا رہا ہے آپ کی تقریر پر

یا ہے تاثیرِ رضائے ذوالجلال
کچھ نہیں معلوم ہوتا اس کا حال

وعظ جس نے سُن لیا اک مرتبا
مدتوں دل میں رہا اوس کا مزا

ہے کلام اون کا کلامِ کبریا
قول اون کا شرحِ قولِ مصطفٰے

حکم اون کے سب احکامِ حق
شغل ہے اون کا حدیثوں کا سبق

جیسے کرتے ہیں علاجِ ظاہری
ہیں اوسی صورت طبیبِ معنوی

کرتے ہیں دائم علاجِ جسم و روح
ظاہر و باطن کی کھوتے ہیں قبوح

آپ کی صفتیں بیاں کیا کیجئے
ہیں مخالف بھی ثنا گو آپ کے

سامنے حضرت کے از بہرِ سلام
گردنیں اعدا کی جھکتی ہیں تمام

ہیبتِ حق کا یہ پڑتا ہے اثر
جُھکتے ہیں مجبور جبّاروں کے سر

دبکے چلتے ہیں مخالف آپ سے
معتقد ہے دل زباں کچھ ہی بکے

شان میں اون کی یہ فرماتے ہیں پیر
حاجیِ امدادِ اللہ دستگیر

جو ہو شایق مجھ سے ملنے کے لئے
مولوی صاحب کو آ کر دیکھ لے

فرق مجھ میں اور اون میں کچھ نہیں
جس جگہ ہوتے ہیں وہ میں ہوں وہیں

ہیں وہ میرے مثل اس میں شک نہیں
مجھ کو اون کو ایک سمجھیں طالبیں

اس طرح حضرت کا ہے ارشاد جب
مدح اون کی میں لکھوں ممکن ہے کب

ذکر مولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ (۴)

مہتمم بھی اوس کے ہیں خوش انتظام
مولوی صاحب رفیع الدین نام

صاحبِ عقل و تدابیرِ متیں
خیر خواہِ دینِ ختم المرسلیں

فرضِ منصب کو ادا کرتے ہیں وہ
سعی اون کی حشر میں مشکور ہو

ذکر مولوی سید احمد صاحب دہلوی سلمہٗ (۵)

فاضل و علّامہ اُستاذِ ذکی
مولوی سیّد احمد دہلوی

حفظ ہے گویا کہ اون کو ہر کتاب
ہیں وہ ہر اک علم و فن میں لاجواب

خُلق کیا اللہ نے اون کو دیا
حِلم کیا کچھ اون کو فرمایا عطا

پارسا و تابعِ شرعِ نبی
صاحبِ اسلام کامل متقی

اس قدر ہے دل میں اونکے عاجزی
گاہ مسجد میں امامت تک نہ کی

اور سب کے پیچھے از راہِ نیاز
پڑھتے ہیں وہ صاحبِ باطن نماز

یعنی شایانِ امامت آپ کو
جانتے ہرگز نہیں وہ نیک خو

سامنے اون کے مصلّے پر عوام
بنتے ہیں مجبور ہو کر کے امام

ختم کی ہے حق نے اون پر سادگی — کیوں نہ ہوں یہ لوگ اے دل جنتی
کیوں نہ ان لوگوں کی ہو دنیا میں دھوم — حق نے گردانا اِنھیں اہلِ علوم

ذکر منشی سراج الحق صاحب محرر اول مدرسہ (۶)

اور محرر مدرسے کے اہلِ دیں — حاجی و منشی سراج الحق امیں
با امانت خوب و صالح جواں — وضعدار و سر گروہِ صالحاں
اپنے ہم عصروں میں ایسے وضعدار — اتقا پر اون کو ہے یکساں قرار
اس قدر پابند عمدہ وضع کے — اون کو اک حالت پہ دائم دیکھئے
مدرسے کے کارِ تحریری تمام — دیتے ہیں انجام وہ عالی مقام

ذکر منشی نذیر احمد صاحب محرر دوم مدرسہ سلمہ (۷)

اور محرر مدرسے کے دو ہمیں — منشی ممدوح کے نعم القریں
اہلِ اخلاق و حلیم و خوش کلام — آپ کا منشی نذیر احمد ہے نام
رکھتے ہیں یہ تین صفتیں وہ جناب — اتقا و زہد اور عہدِ شباب
نیک بخت و نیک طینت نیک حال — ہر صفت اون میں علیٰ وجہ الکمال
مدرسے میں دل سے وہ کرتے ہیں کام — مستعد خدمت پہ اپنی ہیں مدام

ذکر حاجی محمد عابد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ (۸)

اور حضرت معدنِ لطف و کرم — متقی و حاجی بیت الحرم
ہے محمد اور عابد حسن کا نام — حق نے اون پر کی ہر اک خوبی تمام
کی اونھوں نے ہے ریاضت اس قدر — جس سے عاجز رہتے ہیں اکثر بشر
اس قدر طاعاتِ حق لائے بجا — نفس اون کا حکم میں اون کے ہوا

ہیں بہت پاکیزہ خصلت نیک خو — رات دن رہتے ہیں محو ذکر ہو
یادِ حق میں قلب ہے اون کا گرو — مہتمم ہیں جامع مسجد کے وہ (۱۰)
مدرسے میں دل سے وہ عالی مقام — رہتے ہیں دائم شریکِ انتظام
اون کی برکت سے یہ مسجد مدرسہ — ہے ترقی روز افزوں پر سدا
ہمتِ باطن کا ہے اون کے اثر — جس سے دینیں میں ہوئی یہ کر و فر
اجرا دن کو اون کی نیت کا ملے — حق او نھیں اس کی جزائے خیر دے
یہ ترقی دین کی اون سے ہوئی — ایسی ہمت کر سکے گا کیا کوئی

ذکر حضرت مولوی محمد قاسم مرحوم (۹)

پہلے حضرت مولوی صاحب جو تھے — فیض سب کو اون سے کیا کیا کچھ ہوئے
کر گئے وہ اس جہاں سے انتقال — زندہ ہے آفاق میں اون کا کمال
میں کروں تعریف اون کی کس قدر — مرتبہ ہے اون کا اس سے فوق تر
سچ کی کیا خوب اون کی نشست — بہ لبِ کوثر محمد قاسم ست
مدرسہ پر اک توجہ خاص تھی — علم پھیلے، تھا یہ منشائے دلی
پس ہوا جو کچھ کہ چاہا تھا وہی — آرزو پوری خدا نے اون کی کی
وہ ترقی مدرسے کو حق نے دی — جس سے ہمسر ہو نہیں سکتا کوئی
فیضیاب اوس سے ہوں اہلِ ہند سب — یہ کبھی اک دینیں یہ ہے انعامِ رب
جانتا تھا کب کوئی دینیں کا نام — ہو گیا مشہور اب تا روم و شام
ہر طرف سے طالبانِ دینِ حق — پڑھتے ہیں دینیں میں اب آکر سبق
واں کے استاد اون کے سب شاگرد ہیں — مثلِ خدام اون کے گرد اگرد ہیں
بے تکلف عیش اور آرام سے — ہوتے ہیں سب مستفیض اسلام سے

ملتی ہے ہر چیز اون کو بے طلب
پورے ہوتے ہیں حوائج اونکے سب

کی مسلمانوں نے ہمت ہے بہت
دین سے ہے اون کو الفت ہی بہت

دیں اونھوں نے ہمتیں اپنی لگا
حامیٔ ہمت نہ ہو کیوں کر خدا

ہیں مسلماں گرچہ مفلس اور غریب
ہمتیں اون کو خدا نے دیں عجیب

اون کو میں اس کے سوا کہتا نہیں
آفریں صد آفریں صد آفریں

کیوں نہ ہو یہ ہے اثر اسلام کا
زور ہے ان میں خدا کے نام کا

کر گذرتے ہیں امورات عجیب
ان سے صادر ہوتے ہیں فعلِ غریب

ان کی یہ حقانیت کی ہے دلیل
ہے طرفداران کا خود ربِّ جلیل

کہتے ہیں عاجز اگرچہ آپ کو
بادشاہوں سے نہ ہو جو ان سے ہو

جامع مسجد بھی دی ایسی بنا
جو نہایت ہے وسیع و دل کشا

اور عمارت ایسی عالی شان ہے
جس سے عقلِ منکراں حیران ہے

کہتے ہیں یہ صاحبِ اسلام چند
مفلسان و ساکنانِ دیوبند

بیٹھے بیٹھے کرتے ہیں دین میں کیا
ان کی ہمت دیکھیے اور حوصلا

ہاں سنیں وہ غافلانِ مستِ خواب
ہم اونھیں اس وقت دیتے ہیں جواب

ہے یہ سب فیضِ محمد ﷺ مصطفےٰ
اون کی اُمت کو کیا حق نے عطا

شرق سے تا غرب یہ دینِ نبی
کس طرح پھیلا ہے دیکھو تو سہی

ہے مسلمانوں کو امدادِ خدا
کام لیتا ہے یہ اون سے کبریا

یہ کرامت ہے اگر سچ پوچھئے
یہ ہدایت ہے اگر سچ پوچھئے

معجزہ اسلام کا ظاہر ہے پر
آئے کب اہلِ ضلالت کو نظر

ہے غریبوں کو یہ تائیدِ خدا
مفلسوں سے ورنہ ہوسکتا ہے کیا

ذکر جامع مسجد دیوبند (۱۰)

کیا بنائی جامع مسجد یہ واہ
بن گیا کیا خوب یہ بیت الٰہ

جس کی ہر محراب محرابِ امید
مثلِ گوہر صاف و شفاف و سفید

وہ صفائی ہر در و دیوار پر
ہاتھ پھسلے اوس پہ رکھ دیجے اگر

اندرونی فرش چونے سے بنا
فرش بیرونی ہے سنگِ سرخ کا

صحن میں اوس کے بنا اک حوض بھی
دیکھنے سے جس کے خوش ہو جائے جی

بن گئے ہیں چار سو ایسے مکاں
بڑھ گئی مسجد کی جن سے اور شان

تین درجے اوس کے ہیں با زیب و فر
خوشنما ہیں سات ہر درجے میں در

نو ہیں گنبد اوس کے ایسے خوشنما
دیکھنے میں دل رہے جن کے لگا

جمعہ کو ہوتا ہے واں مجمع عجب
آتے ہیں مسجد میں اہلِ شہر سب

پڑھتے ہیں مسجد میں با عجز و نیاز
مجتمع ہو کر جماعت سے نماز

دید کے قابل ہے وہ موقع مگر
جس کی آنکھیں ہوں اوسے آئے نظر

صرف اوس میں ہو چکا زر بے شمار
اور ابھی باقی بہت ہیں اوس میں کار

ذکر مولوی عبد الخالق صاحب دیوبندی (۱۱)

اوس میں حضرت عبدِ خالق مولوی
عابد و پرہیزگار و متقی

جن کا ہے طرزِ رسول اللہ شعار
کر رہے ہیں جانفشانی بے شمار

اون کی ہمت اور برکت سے یہ کام
پا رہا ہے آج تک سب انصرام

حق سے پائیں اس کا وہ نعم البدل
اون سے راضی ہو خدائے عزّ و جل

باعمل ہیں اس قدر وہ خوش صفات
کب خلافِ شرع ہو کچھ اون سے بات

مصدرِ اعمال و علم و اتقا
خوبصورت خوب سیرت پارسا

منکسر اور خندہ پیشانی خلیق
مہرباں ہر ایک پر سب پر شفیق

درس بھی مدِ نظر ہے آپ کو — وعظ فرماتے ہیں ہر جمعہ کو وو
کرتے ہیں وہ اتباعِ مصطفےٰ — کرتے ہیں سب کو ہدایت بر ملا
الغرض داں اہل علم و فن ہیں سب — طرز و عاداتْ اون کے مستحسن ہیں سب
ہیں وہ مثل صالحانِ سابقیں — ہیں وہ بیشک اولیائے کاملیں

ذکر شریف حضرت مخدوم العلما اکرم الفضلا مولوی محمد یعقوب صاحب مدظلہ العالی (۱۲)

اون میں ہیں وہ مولوی بے نظیر — پیرِ برحق مرشدِ روشن ضمیر
مولوی یعقوب فخرِ اولیا — عارفِ حق جانشینِ مصطفےٰ
رونقِ دیں چشمۂ علم و عمل — بے نظیر و بے عدیل و بے بدل
متقی و صاحبِ قلبِ سلیم — کانِ حلم و معدنِ خلقِ عظیم
شیخ عالم مقتدا و پیشوا — روز و شب مصروفِ طاعاتِ خدا
اس طرح ہیں اون میں وہ عالیجناب — مجمعِ انجم میں جیسے ماہتاب
حق نے بخشا ہے اونھیں وہ مرتبا — ہند میں ثانی نہیں اب آپ کا
ایسے ہیں وہ پیرِ پاکیزہ نہاد — جن کے دیکھے سے خدا آتا ہے یاد
آپ کی صحبت کا ہے جس میں اثر — لذتِ ایماں سے ہے وہ بہرہ ور
پنجگانہ وہ پڑھاتے ہیں نماز — اون کا وہ اوس وقت کا سوز و گداز
ہے طبیعت میں مؤثر اس قدر — دل میں ہوتا ہے عجب پیدا اثر
نام جب لیتے ہیں وہ اللہ کا — دل کو آتا ہے عجب اوس میں مزا
عظمتِ حق کر گئی ہے دل میں جا — کیوں نہ ہو پھر نام لینے میں مزا
پھیرتے ہیں جب وہ اہل دل سلام — یعنی کرتے ہیں نماز اپنی تمام
اوس کی کیفیت کروں میں کیا بیاں — ہے وہ کیفیت مرے دل میں نہاں

بیٹھتے ہیں قطب کی جانب کو جب — رُخ پہ ہوتا ہے ہویدا نورِ رب
کرتے ہیں جس قدر وہ انکسار — نورِ حق کی آتی ہے رُخ پر بہار
جب نمازوں میں ہو یوں سوز و گداز — کہتے ہیں بس ان نمازوں کو نماز
یوں نمازیں پڑھتے ہیں حق کے ولی — یوں کیا کرتے ہیں طاعت متقی
ہوگیا جو آپ کے پیچھے کھڑا — کر لیا اوس نے نبی کا اقتدا
پڑھتا ہے جو آپ کے پیچھے نماز — دل ہے اوس کا باخشوع و بانیاز
خاصہ ہے آپ میں اکسیر کا — جو بنا دیتے ہیں تانبے کو طلا
جس کو پہنچا فیضِ صحبت جس قدر — اوس قدر دل ہوگیا مثلِ گہر
مدتوں کے جو کہ تھے عصیاں شعار — فیض سے اون کے بنے پرہیزگار
منزلیں چاروں اگر کرنا ہوں طے — جا کے بس حضرت کی خدمت میں رہے
ایسے بتلاتے ہیں اورادِ خفی — جن سے ہو دم میں صفائی قلب کی
ہیں وہ جیسے جانتا ہے میرا جی — میری آنکھوں سے اونھیں دیکھے کوئی
قلب اون کا نور سے معمور ہے — اس لیئے چہرہ پر اون کے نور ہے
شغلِ دیں میں رہتے ہیں لیل و نہار — اتباعِ سنت اون کا ہے شعار
ہے طریقہ اون کا ارشاد و ہدیٰ — داخلِ عادت ہے یادِ خدا
بیٹھتے ہیں جب وہ کملی اوڑھ کر — نورِ حق ہوتا ہے رُخ پر جلوہ گر
سر پہ عمامہ بزرگانہ بندھا — اور قرآن سے ہویدا اتقا
سیدھی سادھی وضع بالکل ظاہرا — بانکپن لاکھوں مگر اوس پر فدا
عاجزی یاں تک کہ یوں فرمادیا — کچھ حقیقت ہی نہیں میری ذرا
ہم نشینوں سے بظاہر گفتگو — قلب میں جاری و لیکن ذکرِ ہو
وہ کریں کتنا ہی خود کو مستتر — تاڑتے ہیں تاڑنے والے مگر

کرتے ہیں پوشیدہ گو کشف و کمال
جاننے والوں کو ہے معلوم حال

قلب اون کا ہے پُر از انوارِ غیب
منکشف سینے میں ہیں اسرارِ غیب

اتباعِ سنت و اعمال و علم
اتقا، و طاعت و اخلاق و حلم

ذات میں اون کے ہیں تا حدِّ کمال
ہے برستا اون پہ نورِ ذوالجلال

عالمِ ظاہر ہیں ہم شکلِ بشر
باطناً مثلِ فرشتہ خوش سِیَر

وہ جو فرماتے ہیں ختم المرسلیں
ہیں وہ مثلِ انبیائے سابقیں

آپ ایسوں ہی کی ہے وہ شان ہیں
وصف جن کا درج ہے قرآن میں

کرتے ہیں وہ پیشوائی خاص و عام
ہر کس و ناکس کی دلجوئی مدام

جس نے جو تکلیف دی جس کام کی
اوس کے کہنے سے کیا فوراً وہی

جو بُلا کر جس جگہ پر لے گیا
ہو لیے ساتھ اوس کے بے چون و چرا

ہر جگہ تکلیف فرماتے ہیں وہ
گرچہ اپنا ہرج ہووے یا نہ ہو

عذر ہی آتا نہیں لب پر کبھی
ہے سراپا خُلق عادت آپ کی

آپ کے خادم ہیں جتنے اور مرید
رہتے ہیں بس رات دن مشتاقِ دید

دیکھ لیں جب تک نہ حضرت کا جمال
بیقراری رہتی ہے اون کو کمال

کیوں نہ ہو وہ عاشقانِ خاص ہیں
سب کے سب خدّام با اخلاص ہیں

مجھ کو بھی شوقِ زیارت آپ کا
دل ہی دل میں ہے بہت تڑپا رہا

اب مجھے آفاق میں کوئی بشر
آپ سے ہرگز نہیں محبوب تر

ہے یہی حسرت کہ خدمت میں رہوں
رات دن بس آپ کو دیکھا کروں

بول اوٹھوں دل سے ہو کر محوِ دید
مثلِ تو خلّاقِ جاں کم آفرید

حاضرِ خدمت رہوں شام و سحر
بہرِ خدمت باندھ لوں اپنی کمر

کفش برداری میسّر ہو مجھے
اے خوشا قسمت زہے طالع مرے

سامنے وہ شکلِ نورانی رہے
پھر نہ کچھ فکر و پریشانی رہے

آپ کی صحبت کا ہو ایسا اثر
اسمِ حق ہو جائے دل میں جلوہ گر

ایسا کچھ ارشاد فرمائیں سبق
جاگزیں ہوں نفس میں طاعاتِ حق

فیض سے صحبت کے نورانی ہو دل
نفس کو کر دے ریاضت مضمحل

خدمتِ اقدس ہی میں شام و سحر
میں کروں اوقات کو اپنی بسر

اے خوشا طالع زہے اونکے نصیب
آپ سے جو رہتے ہیں ہر دم قریب

ہے میسّر رات دن قربِ آپ سے
لوٹتے ہیں دین و ایماں کے مزے

آگیا ہے دیوبند اون کو پسند
فیض سے صحبت کے ہیں وہ بہرہ مند

تفرقہ کا آ پڑا مجھ پر پہاڑ
حیف ہے میں اور یہ ملکِ مارواڑ

مجھ سا کم قسمت نہیں کوئی بشر
ہے مجھے افسوس اپنے بخت پر

انبساطِ دل سے ہو اوروں کو عید
وائے مجھ پر میں رہوں محرومِ دید

سب تو دیکھیں وہ رُخِ فرحت نمط
میں رہوں حسرت ہی حسرت میں فقط

مجھ کو ہووے رنج اور دل کو شرر
رات دن وہ پاس ہووے اور میں دور

دیکھیے کب تک رہوں زار و ملول
دولتِ دیدار ہو کس دن حصول

مناجات

اے اثر بخشِ دعائے دردمند
مجھ کو بھی جلدی سے پہنچا دیوبند

کیونکہ یہ میرا دلِ پُر اضطراب
ہو رہا ہے اب بہت بے صبر و تاب

اب تو جلدی مجھ کو اے نعم المجیب
شیخِ عالم کی زیارت کر نصیب

میرے حالِ دل سے ہے تجھ کو خبر
دل ہے میرا ہجر میں بیتاب تر

پھر مجھے وہ شکلِ نورانی دکھا
پھر وہی دیدار ہو صبح و مسا

پھر رہوں یارب میں ہو کر مطمئن
خدمتِ اقدس میں اون کی رات دن

پھر وہی چھٹتے کی مسجد اور نماز
ذکر و شغل و جوشش سوز و گداز

عشق حضرت دے مجھے اس مرتبہ
دوسرے کی پھر رہے دل میں نہ جا

عشق میں کر اون کے ایسا بے قرار
دل تڑپتا ہی رہے سیماب وار

ہو نہ ہرگز قلب کو چین ایک دم
بیقراری ہو کسی ساعت نہ کم

غیب سے دے میرے دل کو وہ اثر
وصل میں ہوں ہجر سے بیتاب تر

جان و دل اون پر فدا کرتا رہوں
دل سے اون کا اقتدا کرتا رہوں

دوں ذرا اس نفس سرکش کو سزا
کچھ دنوں چکھے ریاضت کا مزا

پھر نہ دہین سے کروں گا ہے سفر
یاد میں تیری رہوں شام و سحر

فکر دنیا میں نہ دل مشغول ہو
ذکر تیرا رات دن معمول ہو

ایسی رغبت کر عطا اے بے نیاز
دل رہے ہر وقت مشتاق نماز

جانب مسجد رہے میل دلی
ہو عبادت میں توجہ طبع کی

گرچہ اس قابل کہاں لیکن مجھے
قرۃ عینی سے کچھ حصہ ملے

رجوع بہ نفس

آگیا پھر عشق کا سینے میں جوش
دیر سے مجھ کو نہیں تھے جس کے ہوش

دیر سے تھا جس کو میں بھولا ہوا
وہ ہی جوش عشق پھر دل میں اٹھا

پھر لگی ہونے طبیعت بے قرار
حد سے بڑھ جانے لگا پھر اضطرار

مشتعل ہے آتش شوق اس قدر
دل بھنا جاتا ہے جس سے اور جگر

مثل طائر ہوں میں اور پا لی قفس
اڑ تو جاؤں پر نہیں کچھ اپنا بس

بخت بد نے کر دیا ایسا تباہ
ہو گیا دہین مجھے برسوں کی راہ

جس نے مجھ کو قید کر رکھا ہے یہاں
وہ ہی پہنچائے تو میں پہنچوں وہاں

واں زیارت سے ہیں سب خدام سیر
یاں ابھی چلنے میں اس شایق کے دیر

دیکھیے ہوتا ہے کب ایسا سبب
ہو میسر دولت دیدار کب

دیکھیے کب ہو طبیعت کو قرار
مطمئن کب ہو دل امیدوار

لکھ گیا از راہ نادانی یہ کیا
ہیں نہیں شاید حواس اس دم بجا

کیسا اطمینان اور کیسا قرار
چاہتا ہوں میں تو اس محفل میں بار

یاں فقط اک خواہش دیدار ہے
کچھ نہیں اس کے سوا درکار ہے

حاضر خدمت ہوں جا کر دیوبند
مضطرب چاہے رہوں یاں سے دو چند

واں پہنچکر بے قراری ہو ہزار
لاکھ ہووے رات دن دل بیقرار

کچھ نہیں اس بات کا زنہار غم
ہو میسر دید تو پھر کیا الم

خطاب بہ نفس

ہوش میں آ اے فروغ دل فگار
ذکر کر کچھ ذکر ہے وجہ قرار

ہوش میں آ جوش میں اتنا نہ ڈوب
ذکر کر ہے ذکر تسکین قلوب

ذکر ہے اک یادگاری کا سبب
ذکر سے ہم کو نہ رکھ محروم اب

دل سے جو جس پر کہ ہوتا ہے فدا
ذکر کرتا ہے اوسی محبوب کا

کس لیے پھر ہو رہا ہے تو خموش
ہے طبیعت میں تری کیسا یہ جوش

دل میں اس کو ضبط کر کچھ لب پہ لا
ہم بھی کچھ سن لیں اگر کچھ دے سنا

ہیں غضب تیرے اشارات لطیف
پھر سنا دے کچھ وہی ذکر شریف

یعنی حضرت مرشد برحق کا حال
پھر سنا دے طبع شایق ہے کمال

رجوع بہ ذکر شریف

ہو سکیں اوصاف حضرت کیا بیاں
مدح خور ذرہ سے ہو ممکن کہاں

آپ کی ذات گرامی کے سبب
رشک گلزار ارم دہین ہے اب

آپ نے جو کرلیا رہنا پسند | ہوگئی رونق میانِ دیوبند
آپ ہیں دینین کو وجہِ افتخار | مدرسہ کو باعثِ عزّ و وقار
آپ ہی ہیں افتخارِ مدرسہ | آپ ہی پر ہے مدارِ مدرسہ
آپ کا چندے نہ ہووے گر قیام | درہم و برہم ہوں سب دینین کے کام
آپ اک اوس جا نہیں تھے چند روز | زخم وہ بھرنے نہیں پایا ہنوز
آپ کے قدموں کی برکت کے سبب | اور ہی دینین میں کچھ جلوہ ہے اب
ہو جہاں ایسا حسینِ دل ستاں | کیوں نہ ہو پھر رات دن رونق وہاں
جلوہ فرما ہو جہاں ایسا حسیں | کیوں نہ ہو رشکِ ارم وہ سرزمیں
جس کو دیکھو آپ کا مشتاق ہے | قرب کا طالب ہے فرقت شاق ہے
حق نے دی ہے صورت و سیرت جو خوب | اس لئے ہیں آپ محبوب القلوب
پہلے جس کی میں نے جو تعریف کی | آپ کی تعریف کی تمہید تھی
جو صفت جس کی ہوئی پہلے رقم | آپ جامع سب کے ہیں بے کیف و کم
جملہ اہلِ شہر و اہلِ مدرسہ | آپ کا کرتے ہیں دل سے اقتدا
متفق ہیں جملہ اہلِ دیوبند | کاملِ الاسلام اور اقبال مند
علم کی اور عالمانِ دیں کی | عظمت اون کی جان و دل میں ہے بسی
گرچہ ہیں ایسے بھی واں اشخاص چند | چاہتے ہیں دین کو پہنچے گزند
کچھ نہیں دل میں جو اکرامِ نبی | معترض سنت پہ ہیں وہ بدعتی
کاملوں پر طعن اون کا کار ہے | اور ولایت سے اونھیں انکار ہے
قاسمِ قسمت ہے ربِ عزّ و جل | لکھ دیئے قسمت میں اون کے بد عمل
جب ہوا خورشیدِ علمِ دیں عیاں | اون کو ضعفِ چشم سے گذرا گراں
چاہنے سے اون کے پر ہوتا ہے کیا | حاملِ دینِ پیمبر ہے خدا

ایسے ہیں وہ منکرانِ نابکار | گلستاں میں جس طرح ہوتے ہیں خار
آفتابِ دینِ حق ہے جلوہ گر | اون کو کوری سے نہیں آتا نظر
شہد میں تلخی نہیں زنہار کچھ | گرچہ صفراوی کو ہو انکار کچھ
ہے کہاں خوشبو کی گبریلے کو تاب | مار دیتی ہے اوسے بوئے گلاب
پہلے بھی ہوتے رہے ایسے بہت | انبیاء کے عہد میں بھی تھے بہت
کچھ نہ سوجھی اون کو شانِ انبیاء | کور تھے وہ منکرانِ انبیاء
کیوں نہ ہو مختوم تھے اون کے قلوب | تھی نہ اس باعث تمیزِ زشت و خوب
اتباعِ حق سے ہو کیا اون کو کار | جن کو حق فرما چکا اصحابِ نار
ایسے ہی کرتے ہیں یہ تکذیبِ حق | لے گئے یہ بلکہ اون پر بھی سبق
اون کو تھا انکارِ فرمانِ رسول | وہ رسالت ہی نہ کرتے تھے قبول
یہ رسالت کے تو قائل ہیں مگر | اتباعِ حق ہوا دشوار تر
دل ہے ان کا تابعِ حرص و ہوا | پیرویِ نفس کرتے ہیں سدا
نفس کی خواہش کے جو ہو بر خلاف | کرتے ہیں اوس حکم سے انکار صاف
عالمانِ باعمل ہادیٔ دیں | ہیں رسول اللہ کے جو جانشیں
یادِ حق کرتے ہیں جو لیل و نہار | ہیں نہایت متقی پرہیزگار
کرتے ہیں جو اتباعِ مصطفےٰ | دیکھنے سے جن کے یاد آئے خدا
طعنہ زن ہوتے ہیں اون پر یہ لئیم | جانتے ہیں ہم ہیں دیں پر مستقیم
معترض اون پر ہوا جو بد سیر | معترض ہے وہ رسول اللہ پر
ایسے ہیں یہ منکرانِ بدخصال | دین میں رکھتے ہیں اوس خر کا سا حال
جو کہ ہو دیں تابعِ خیر البشر | عیب جوئی اون کی ہو مدِّ نظر
برخلافِ نفس گر وہ حکم دیں | پیروی ہرگز نہ یہ اوس کی کریں

جو کہ ایسے خودسر و بیباک ہوں
ناکس و نااہل ہوں ناپاک ہوں

ہو نہ قدرِ سنتِ خیر الانام
اپنی مرضی پر کریں ہر ایک کام

اون کے دل میں پھر کہاں ایمان و دیں
امتِ احمد میں وہ ہرگز نہیں

گرچہ وہ سمجھیں مسلماں آپ کو
پر مسلماں ہیں نہیں یہ جان لو

پٹیاں آنکھوں پہ کس کر باندھ لیں
کس طرح آئے نظر شرعِ متیں

بلکہ جو ہیں راہِ حق کے راہبر
طعنہ زن اولٹے اونھیں پر ہیں یہ خر

شرک اور بدعت پہ ہیں ثابت قدم
اور سمجھتے ہیں ہدایت پر ہیں ہم

کبر و جہل و کثرتِ فسق و نفاق
کر رہے ہیں حکمِ حق کو اون پہ شاق

شرک و بدعت اور ریاکاری تمام
کرتے ہیں یہ بے خرد جو کچھ مدام

بھیدان کے عالمانِ پاک دیں
کھول کر کہتے ہیں یہ دیں میں نہیں

ہیں جماعت سے مسلمانوں کی دور
قلب میں اون کے نہیں ایماں کا نور

اس لئے رکھتے ہیں اون سے بغض و کیں
پر زیاں اس بات میں اون کا نہیں

حشر کے دن سب کھلے گا اونکو حال
ہوگا ظاہر اون کے کاموں کا مآل

یہ وہاں رہ جائیں گے پھر خالی ہاتھ
ہونگے حسرت میں ریاکاروں کے ساتھ

ہے پسند آئینِ بے دینی انھیں
ہے بہت مرغوب خود بینی انھیں

دین میں کرتے ہیں جو گستاخیاں
حق سے پائیں گے سزا اس کی وہاں

کرتے ہیں یہ رات اور دن بد عمل
پھر توقع یہ کہ ملے نعم البدل

نیک بدلہ پائیں یہ کرکے بدی
لوٹ تو ایسی نہیں کچھ پڑ رہی

خطاب بجانبِ خود

ایسے شخصوں پر تبرا بھیج کر
دینِ حق میں کس فروغ اپنی کمر

تو زباں سے کر چکا اپنی جہاد
ہم تجھے اس بات کی دیتے ہیں داد

نیک تو نے کر لیا یہ کچھ عمل
دے جزا اس کی خدائے عز و جل

پھر ہو کچھ وہ ذکرِ مستحسن شروع
پھر وہی ہو مہربانِ من شروع

لذتیں اوس ذکر سے پاتا ہے دل
چاق ہو جاتی ہے طبعِ مضمحل

پھر وہی ہم کو سنا دے ذکر تا
عظمتِ اسلام کی دل میں ہو جا

پھر وہی کچھ ذکر کر لے باخبر
لذتِ ایماں سے ہوں تا بہرہ ور

جس سے پیدا قلب میں اے ہمنشیں
رغبتِ طاعات ہو اور شوقِ دیں

کیونکہ ذکرِ صالحان و اولیاء
کھینچتا ہے جانبِ ذکرِ خدا

دل ہے اپنا جہل و غفلت میں غریق
پھر سنا دے کچھ وہی ذکر اے شفیق

تھا عجب کچھ ذکر وہ لذت فزا
پیر و مرشد مولوی یعقوب کا

چھوڑ کر اوس ذکر کو اے مہرباں
تو لگا کرنے یہ کیا قصہ بیاں

توسنِ خامہ ہے تیرا خوش خرام
پھر اوڑا اوس کو یہاں سے چند گام

رجوع بہ ذکر شریف

ابتدائے مثنوی سے مشفقی!
بات تجھ پر یہ تو ظاہر ہو چکی

مدرسہ دیوبند کا ہے اب لاجواب
اور ابھی آیا نہیں اوس پر شباب

عالمِ طفلی ہے اوس پر ابھی
دیکھنا اوس کو جوانی میں کبھی

بعد اس کے ہو یہ واضح اے ندیم
یہ ترقی اور یہ شانِ عظیم

یہ علوِ قدر اور یہ مرتبا
یہ علومِ دین اور ان کے سوا

خیر و برکت مدرسے میں جو ہے اب
ہے وہ حضرت پیر و مرشد کے سبب

یہ سمجھ لینا ذرا اے مہرباں
آج کیا کچھ حق نے دی ہے اوسکو شاں

ہے بدولت جس کے یہ سب عزّ و جاہ
کیسا کچھ ہوگا وہ مقبولِ الٰہ

حق نے بخشا ہے اونھیں وہ مرتبا
جملہ اہلِ دیں کے ہیں وہ پیشوا

اور کیا رتبہ ہے اس سے فوق تر
ہیں وہ حضرت نائبِ خیر البشر

جانشینِ خاص ختم المرسلیں
ہادیٔ دیں سر گروہِ مہتدیں

سنتِ احمد یہ ہے اون کا عمل
ہیں وہ مقبولِ خدائے عز و جل

حکمت و معقول و منقول و ادب
ایک گوشے میں طبیعت کے ہیں سب

اور جو کچھ علم ہیں دل میں نہاں
ذکر میں اون کا نہیں کرتا یہاں

کیونکہ اس لائق نہیں میری زباں
کچھ کرے تشریح جو اون کی بیاں

مجھ کو بھی معلوم ہیں اجمال سے
آگہی کب ہے مفصل حال سے

بحر جب ہووے تو پھر اوس بحر کا
مدح خواں ہو قطرۂ ناچیز کیا

یہ کہے گا ہے یہ دریائے عظیم
ہے وہ علام الغیوب اس کا علیم

ہیں عجائب اس کے اندر بے شمار
جانتا ہے اون کو لیکن کردگار

ہو گا جب واقف نہ کچھ تفصیل سے
لب کرے گا بند قال و قیل سے

اس لیے کہتا ہوں میں اے ہمنشیں
میں بھی کچھ تفصیل سے واقف نہیں

میں نے بھی مجمل لکھا جو کچھ لکھا
مجھ سے اونکی مدح ہو سکتی ہے کیا

مجھ کو اون کی مدح کی طاقت کہاں
ہے مری اس ذکر میں قاصر زباں

کیوں نہ پیری اونکے اوپر زیب دے
ہیں خلیفہ بھی وہ کیسے پیر کے

ذکر شریف حضرت مخدوم العالم شمس العرب و العجم
جناب حاجی امداد اللہ صاحب مدظلہ العالی (۱۳)

اوٹھ گئے ہیں واسطے جن کے حجاب
قلب ہے اون کا منور آفتاب

ہیں جنیدِ وقت شبلیٔ زماں
قطب الافراد اور مخدومِ جہاں

نام ہے امداد اللہ آپ کا
ہیں مجسم خود وہ امدادِ خدا

خلق میں ذاتِ گرامی آپ کی
واسطہ حق کی مدد کا ہو گئی

خُلقِ احمد سے سجھا کر اونچ نیچ
جانبِ جنت لیا خلقت کو کھینچ

لے کے ملکِ ہند سے تا روم و شام
فیض سے اون کے جہاں پُر ہے تمام

ہیں مرید و خادم اون کے بے شمار
فیض جاری ہے بہر ملک و دیار

عالمانِ دیں جو خود ہیں پیشوا
رکھتے ہیں اکثر توسل آپ کا

اکثر اہلِ علم سکانِ عرب
ہیں شمولِ خادمانِ با ادب

ہیں بہت عالم مرید اور جاں نثار
عام کو میں یاں نہیں کرتا شمار

پا چکے ہیں جو اجازت اور جا
عزم اون سے رکھتے ہیں تکمیل کا

صالحانِ عصر و افرادِ جہاں
پاتے ہیں تکمیل حضرت کے یہاں

صاحبِ علم و عمل اہلِ کمال
اولیاء و عارفانِ ذوالجلال

ہوتے ہیں حضرت سے دائم فیضیاب
وہ نجومِ دیں ہیں اور آپ آفتاب

طالب اون کے غوث و اقطابِ جہاں
شائق اون کے عارفان و صالحاں

جس کو وہ دیدارِ انور ہو نصیب
ہو گیا وہ رحمتِ حق کے قریب

خصلتیں اون کی خصائلِ انبیاء
حال ہیں اون کے مثالِ اولیاء

ایسے بھی مشہور ہیں گو آج کل
ہیں خلافِ شرع جن کے سب عمل

سنتِ نبوی سے لاکھوں کوس دور
اور بہت کچھ اس پہ دعوائے حضور

دین میں جو ہیں خلافِ مصطفےٰ
ہوں وہ کچھ ہی اعتبار اون کا ہے کیا

جس کو بتلائے کھرا لیکن محک
زر وہی ہے گو نہ ہو اوس پر چمک

حضرتِ ممدوح کو گر دیکھیے
دینِ پیغمبر ہے زندہ آپ سے

اس قدر ہیں تابعِ شرعِ شریف
سنتِ نبوی ہیں عاداتِ لطیف

رہتے ہیں وہ محوِ حق میں ہر نفس
دی اوکھاڑ اکدم سے بیخِ ہر ہوس

دل ہے اون کا مثلِ دریا موجزن
خلوت اون کے واسطے ہے انجمن

ہو چکے ہیں منقضی اونتیس سال
جب سے بیت اللہ میں وہ باکمال

ماسوا سے مطلقاً ہو کر جدا
رہتے ہیں محوِ عباداتِ خدا

ہند میں قصبہ جو ہے تھانہ بھون
آپ کے اجداد و آبا کا وطن

یادِ حق میں ہو کے بالکل بے خبر
بھول کر اوس کی نہ لی گا ہے خبر

محو کر دی دل سے یادِ دوستاں
ہے فقط محبوب خلاقِ جہاں

اوس کی تیغِ عشق سے گھائل ہوئے
ایسے اوس کے حسن پر مائل ہوئے

چھوڑ کر نعماء و لذاتِ جہاں
ہو گئے ہیں اوس کے سنگِ آستاں

بھا گئیں اوس کی ادائیں اس قدر
دو جہاں سے پھیر لی اپنی نظر

آستاں پر اوس کے ہے یہ التجا
یہ مقولہ اون کا ہے اور یہ دعا

دو جہاں سے کچھ نہیں مجھ کو طلب
تجھ سے کرتا ہوں و لے تجھ کو طلب

اون کو ہے اوس دلبرِ یکتا سے کار
کچھ نہیں دنیا و ما فیہا سے کار

آج وہ شیدائے رب العالمیں
بزمِ عشقِ حق میں ہیں مسند نشیں

اوس جمالِ پاک پر ہو کر فدا
آستانہ پر دیا بستر جما

اون کے صدقے سے اگر ربِ مجید
بخشدے مجھ کو تو کیا اوس سے بعید

عفو کر کے جملہ عصیان و خطا
عشق اپنا مجھ کو فرمائے عطا

دل میں بس جائے کچھ ایسا وہ جمیل
اس قدر ہو جائے وہ میرا خلیل

اوس کی میں ہر ہر ادا پر جان دوں
آپ کو اوس پر سے میں صدقہ کروں

چوٹ کچھ ایسی مرے دل پر لگے
یہ میرا دل بھی وہیں جا کر لگے

میں ہوں اور اک گوشۂ بیت الحرم
بھر رہا ہوں غم میں اوسکے سرد دم

مانگتا ہوں جن کے صدقے سے دعا
ہیں مکرم وہ بنزدیک خدا

کیا عجب اس کا پذیرا ہو اگر
ہے کرم اوس کا بہت مخلوق پر

آپ فرماتا ہے وہ میں ہوں کریم
معطی و جواد ذو الفضل العظیم

تو نے دیکھا ہے سخی ایسا کہیں
آئی ہو لب پر کبھی جس کے نہیں

الغرض وہ محوِ عشقِ لم یزل
پیشوائے خلق و شیخِ بے بدل

ہو کے مصروفِ ریاضت روز و شب
جان و دل سے کرتے ہیں طاعاتِ رب

دی ہے وہ آئینۂ دل کو جلا
اوس کے آگے ذکر کیا خورشید کا

جن کو اوس کے نور سے پہنچی چمک
ظلمتِ عصیاں ہوئی خاطر سے حک

ذات سے اون کی مثالِ آفتاب
روم شام و ہند یکساں فیضیاب

اہلِ ہند اہلِ عجم اہلِ عرب
زمرۂ خدام میں داخل ہیں سب

یہ اونھیں کا فیض ہے دین میں بھی
مدرسہ اور جامع مسجد بنی

علم کا خانہ بخانہ شور ہے
ہر طرف کو دینِ حق کا زور ہے

مشکِ اذفر ہیں وہیں کی باصفا
ہند کل جس سے معطر ہو گیا

مدرسے سے فیض پہنچا جس قدر
اہلِ ہند اوس سے نہیں ہیں بے خبر

بلکہ اوس کی ہی بدولت اور جا
مدرسوں کی پڑ گئی اکثر بنا

کیسی خوبی سے وہ پاکیزہ صفت
کرتے ہیں تعلیم علمِ آخرت

اس جگہ رکنے لگا ہے کچھ قلم
ورنہ اس کی شرح میں کرتا رقم

جب کہ ایسے کامل و اکمل ہوں پیر
کیوں نہ ہوں اون کے خلیفہ بے نظیر

دل نہیں اس ذکر سے بھرتا ہے گو
ختم کرتا ہوں پر اب اس ذکر کو

دائما اے خالقِ جن و بشر
اون کا رکھ ظلِ کرامت خلق پر

نصیحت

تو بھی اب اے طالبِ حق آ ادھر ۔۔۔ دین کا عزمِ مصمم جلد کر
جلد تر لے آ کے حضرت کے قدم ۔۔۔ عجز سے کر دے سرِ پندار خم
جستجو سے ملتے ہیں کب ایسے پیر ۔۔۔ ہاں مگر قسمت ہو جس کی دستگیر
اب رہے گا تا بکے حق سے جدا ۔۔۔ سیکھ لے حضرت سے کچھ نامِ خدا
دیکھ تو کیسے ہیں وہ مہرِ منیر ۔۔۔ رہنما و ہادی و روشن ضمیر
جلد تر اب تو بھی داخل اے اخی ۔۔۔ ہو جماعت میں رسول اللہ کی
مستعد ہو اے محبِ عقلمند ۔۔۔ ہو روانہ جلد سوئے دیوبند
ہیں وہاں وہ پیرِ پاکیزہ صفت ۔۔۔ سیکھ کچھ اون سے طریقِ معرفت
ہاتھ رکھ حضرت کے جا کر ہاتھ پر ۔۔۔ تا گناہوں سے ہو پاک اے بے خبر
کیونکہ وہ مقبولِ درگاہِ صمد ۔۔۔ مستند ہیں دینِ حق میں مستند
آپ کے خدام میں گر ہو شمار ۔۔۔ جاننا خوش قسمتی یہ اپنی یار
مدرسے میں علمِ دیں تحصیل کر ۔۔۔ خدمتِ حضرت میں رہ شام و سحر
دیکھ مجمع ہے وہاں کیا عجیب ۔۔۔ جمع ہیں واں کیسے کیسے خوش نصیب
عمر کو تو اون کی صحبت میں گذار ۔۔۔ تو بھی تا بن جائے کامل دیندار
مشفقی تحصیلِ دنیا تا بہ کے ۔۔۔ کام تجھ کو سخت تر درپیش ہے
لعنت اس دنیائے دوں پر بھیج کر ۔۔۔ اپنے تو انجام کی کچھ لے خبر
عاقبت کی فکر کر اے مستِ خواب ۔۔۔ چھوڑ غفلت ہوش میں اب آ شتاب
دیکھ یوں کہتا ہے وہ محبوبِ ربّ ۔۔۔ خواب میں ہیں اہلِ دنیا سب کے سب
خوابِ غفلت میں ہیں مثلِ مستِ مُل ۔۔۔ آنکھ اون کی قبر میں جائے گی کھُل

ہوش میں آ اب تو او غافل سنبھل ۔۔۔ اہلِ دنیا کی جماعت سے نکل
تا بکے دنیا کی جانب التفات ۔۔۔ قبر کی بھی یاد ہے کچھ تجھ کو بات
دیکھنا کب تک رہے گا ناچ رنگ ۔۔۔ تا بکے دل میں رہے گی یہ اُمنگ
کیوں تلف کرتا ہے اپنے آپ کو ۔۔۔ دین حاصل کر جہاں تک تجھ سے ہو
سیرِ عالم کا ہے تجھ کو شوق گر ۔۔۔ عالمِ باطن کی بھائی سیر کر
ہو مراقب جسم کے اندر اوتر ۔۔۔ ہیں بہت تجھ میں عجائب مستتر
اور جو خواہشمند ہے تو راگ کا ۔۔۔ ضربِ الّا اللہ کی دل پر لگا
دیکھ تو ملتی ہے کیا لذت تجھے ۔۔۔ لاکھ حصے جو سوا ہے راگ سے
ذکرِ مولا میں بہم پہنچا حضور ۔۔۔ راگ سے ہو گی طبیعت خود نفور
اور اگر درکار ہے عمدہ غذا ۔۔۔ یادِ حق میں وِرد کر تسبیح کا
یہ غذائے روح ہے اے مہرباں ۔۔۔ اس میں جو لذت ہے دنیا میں کہاں
لذتِ اسلام تو چکھ تو ذرا ۔۔۔ دیکھ کیا کچھ اس میں آتا ہے مزا
گر دہیں سب جس سے دنیا کے مزے ۔۔۔ تو بھی چکھ یہ دین میں آ کے مزے
دین میں جن کو مزا حاصل نہیں ۔۔۔ دین ہے اون کا مگر کامل نہیں
یہ مزا دنیا میں حاصل کس کو ہو ۔۔۔ پیر کے صدقے سے ہو جائے تو ہو
میری باتوں سے نہ ہو جانا خفا ۔۔۔ حق کہا میں نے تجھے جو کچھ کہا

رجوع بہ خود

اے فروغِ عاصی و عصیاں شعار ۔۔۔ دین کو اب تو بھی کر لے اختیار
دین حاصل کر ریا کاری کو چھوڑ ۔۔۔ شرک سے تائب ہو منھ دنیا سے موڑ
نام کا ہے گرچہ تو عبد الکریم ۔۔۔ بن رہا ہے عبدِ شیطانِ رجیم

کرتا ہے شیطان کی مرضی کے کام / رہتا ہے اوس کی غلامی میں مدام
باز آ عصیاں سے مت حد سے گذر / ظلم اپنی جان پر ظالم نہ کر
نفس و شیطاں تجھ کو کردیں گے خراب / دام سے اون کے نکل غافل شتاب
اور جو ان سے چاہتا ہے تو حذر / اپنے رب سے عرض کر اے بے خبر
اون کے شر سے تجھ کو تا بخشے اماں / ہے ہر اک شے پر وہ قادر بے گماں

مناجات

اے خدائے دستگیر مستمند / کر عطا مجھ کو قیام دیوبند
مجھ کو آوارہ نہ ملکوں میں پھرا / دے مراب تو وہیں بستر جما
لذت اسلام سے کر بہرہ ور / نفس و شیطاں پر عطا فرما ظفر
حال ابتر کو درستی سے بدل / کر خداوندا مری مشکل کو حل
دین پر قائم مجھے رکھ عمر بھر / خاتمہ بھی میرا ہووے دین پر
اور دعا میری ہے اشخاص ذیل / کر پذیرا تو محمد کے طفیل
میرے والد مولوی عبدالرحیم (۱۴) ساکن املیا / بھائی میرا مولوی فضل عظیم (۱۵) ساکن دیوبند
سید احمد (۱۶) منشی ناظر حسن ساکن املیا ساکن دیوبند / اور نہال احمد (۱۷) اہل علم و فن ساکن املیا
منشی قاسم (۱۸) امام عارفاں ساکن بینا نگر ضلع اجمیر / مولوی ناصر علی (۱۹) صالح جواں ساکن دیوبند
اور محمد صادق (۲۰) اہل سخا ساکن دیوبند / حافظ انوار حق (۲۱) با اتقا ساکن دیوبند

عبد مومن صاحب دانش ذکی (۲۲) ساکن دیوبند / حاجی حمد اللہ (۲۳) مرد متقی ساکن املیا
شیخ احمد (۲۴) منشی قمر الدین حسن (۲۵) ساکنان دیوبند / اور ضیا احمد (۲۶) اہل دیوبن[1]
مشفقم منشی نذیر احمد سعید ساکن تھانہ بھون / اہل ہمت حافظ عبدالمجید ساکن جلال آباد
شیخ صدیق (۲۷) و نیاز احمد ذکی (۲۸) ساکنان موضع املیا / حافظ اسماعیل و تحسین علی ساکنان اجمیر
خان صاحب منشی حامد علی ساکن راجوپور / منشی فیروز علی خاں متقی ساکن قصبہ راجوپور
اور مستورات میں سے بھی تمام / قلب میں میرے لکھے ہیں جن کے نام
سب بروز حشر اے رب العباد / ہوں جماعت میں مسلمانوں کی شاد
شر اعدا سے اور نفس محفوظ رکھ / دولت طاعات سے محظوظ رکھ

[1] دیوبن مخفف دیوبند ۱۲

ذکر معاونت عنایت و کرم فرمایم جناب منشی محمد شاہ میر خاں صاحب متوطن قصبہ جلال آباد

خدمت احباب میں یہ بے ہنر / عرض کچھ کرتا ہے حال مختصر
میں نے یہ پالی میں لکھ کر مثنوی / شوق دل سے آرزوئے طبع کی
پیر و مرشد نے کیا جب انتقال / روح کو میری ہوا صدمہ کمال
طبع ہونا کیسا اور کیسی کتاب / محو دل سے ہوگیا آرام و خواب

یہ ہوا دریائے رقت جوش پر
کام رونے سے رہا آٹھوں پہر

تلملاتی تھی طبیعت بے طرح
قلب میں تھا دردِ فرقت بے طرح

اس طرح صدمے میں گذرا ایک سال
غم میں اوس محبوب کے ابتر تھا حال

بعد چندے ٹھہری طبع ناصبور
پھر بدل کر آیا میں حسبو نت پور

یاں حکومت میں ہیں چند اہلِ وطن
وجہِ عشرت دافعِ رنج و محن

اون میں اک منشی محمد شاہ میر
مخلص و مونس محبِّ بے نظیر

اہلِ درد و اہلِ دل اہلِ کرم
اہلِ زور و اہلِ زر اہلِ حشم

خوش لباس و خوشنما خوش گفتگو
خوبصورت خوب سیرت خوبرو

اہلِ استغنا خلیق و یار باش
خوش نصیب و خوش معاد و خوش معاش

اور جلال آباد میں اون کا وطن
ہے جوارِ قصبۂ تھانہ بھون

ٹونک کی سرکار میں اون کے پدر
تھے معزز عہدۂ معقول پر

خود بھی وہ عمدہ جگہ پر ہیں یہاں
حال پر میرے بہت ہیں مہرباں

ایک دن اس مثنوی کو دیکھ کر
مجھ سے فرمانے لگے وہ ذی ہنر

کیوں فروغ اس کو تو چھپواتا نہیں
کام یہ خاطر میں کیا آتا نہیں

طبع ہونا گر نہ تھا مدِ نظر
کیوں اوٹھائی محنت اس تالیف پر

دین کے بارہ میں ہے پر یہ کتاب
اس کا چھپوانا ہے بہتر اور ثواب

پھر اونھوں نے از رہِ لطف و کرم
خط کیا مطبع نظامی کو رقم

اس کے چھپنے کے لیے واں کو لکھا
آخرش بر آیا دل کا مدعا

اون کے الطاف و توجہ سے چھپی
نذر کرتا ہوں اسے احباب کی

گو نہیں مجھ کو سخن میں کچھ شعور
شاعری سے ہوں میں صدہا کوس دور

اس کو لکھا ہے مگر بہرِ ثواب
نظم ہے، مہمل کہو یا لاجواب

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ والمنۃ للہ تعالیٰ کہ یہ سلکِ مسلسل دُررِ غُررِ اشعارِ آبدار و نظمِ گہر بار مشتمل بہ بیانِ احوال علمائے اخیار و فضلائے ابرار اہلِ دیوبند و سہارنپور وغیرہما نتیجۂ طبع وقاد و ثمرۂ فکر والا نہاد ذو الرائے الصائب جناب مولوی عبد الکریم صاحب دیوبندی متخلص بہ فروغ اعنی رسالۂ موسومہ بہ مثنوی فروغ اوائلِ ماہ جمادی الآخر ۱۳۰۳ھ ہجریہ کو اہتمام بندۂ امیدوارِ رحمتِ ایزد سبحان محمد عبد الرحمٰن سے مطبع نظامی واقع کانپور میں حلیۂ طبع سے آراستہ ہوا۔

قطعات تاریخ وفات علمائے دیوبند

جن حضرات کا ذکر اس کتاب میں ہے درجِ ذیل ہیں

قطعۂ تاریخ رحلت مولوی محمد قاسم صاحب و مولوی احمد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

آہ قاسم علی فقیہِ زماں — عاشقِ حضرتِ شفیعِ اُمم
پنجشنبہ جمادی الاولیٰ — بچہارم روانہ شد بارم
باز احمد علی وحیدالعصر — حامیٔ شرعِ سیّدِ عالم
در ہمیں ماہ روزِ شنبہ بود — بششم در جناں نہاد قدم
ایں دو علامۂ زماں بودند — حاجی و فقہ داں فرشتہ شیم
در غمِ ایں دو مہرِ شرعِ رسول — شد بروئے زمین بپا ماتم

کلکِ شاکر نوشت ایں تاریخ

رضی اللہ عنہما دائمٌ

۹۷ ۱۲ھ
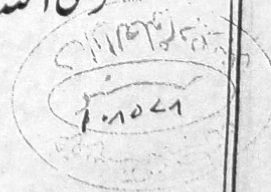
قطعۂ تاریخ وفات جناب مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از جناب مولوی محمد عبدالرحمن صاحب تخلص صافی

مولوی یعقوب صاحب مُرد حیف — دارِ نورانی خدایا تربتش
لطفِ یزداں در کنارش واگرفت — ہست جانش در جوارِ رحمتش
دائماً تدریسِ تفسیر و حدیث — بود کارِ ذاتِ والا ہمتش
ثالثِ شہرِ ربیع الاول ست — در شبِ دوشنبہ عزمِ جنتش

بردرِ فردوس صافی شد رقم

داخلٌ بالخلد سالِ رحلتش

۱۳۰۲ھ

وجہ ختم خاتمہ

واسطے سند اس بات کے کہ یہ کتاب چھپی ہوئی مطبع نظامی کی ہے مہر و دستخط مہتمم کے ثبت کیے گئے۔

محمد عبدالرحمن بقلم خود

حواشی

(۱) دارالعلوم دیوبند کا ذکر مثنوی فروغ میں مدرسہ اسلامی دیوبند کے نام سے کیا گیا ہے، اس کی ابتدا ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) کو چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمود و نمائش کے بغیر ہوئی تھی اُس وقت مدرسہ کے لئے نہ کوئی عمارت تھی اور نہ طلبا کی معتدبہ جماعت موجود تھی، بس ایک استاد اور ایک شاگرد، یہ کُل اس کی کائنات تھی مگر اب یہ ننھا سا پودا ایک ایسا تناور درخت بن چکا ہے جس کی شاخیں برّاعظم ایشیا کے بڑے حصے کو اپنے سائے میں لئے ہوئے ہیں اور آج اس کی سرسبز و شاداب شاخوں اور پتوں کا شمار کرنا آسان نہیں ہے

دارالعلوم دیوبند کے دامن تربیت میں افغانستان، انڈونیشیا، ایران برما، تھائی لینڈ، جنوبی اور مشرقی افریقہ، چین، روس، سعودی عرب سیام، سیلون، عراق، فرانس، کمبوڈیا، کویت، ملائشیا، نیپال اور یمن وغیرہ ممالک کے مختلف رنگ و نسل اور شکل و صورت اور وضع قطع کے جو فضلا نظر آتے ہیں انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس درس گاہ کی گلشن نے اپنے گلدستہ میں رنگ برنگ کے کیسے کیسے گُل بوٹے جمع کر رکھے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے بڑے بڑے نامور علما اٹھے اور بے شمار فضلا، نے اس کی آغوش میں پرورش پائی، علوم و فنون کا

یہ بحر ذخار تشنگانِ علم کی بہت بڑی تعداد کو سیراب کر چکا ہے، جنھوں نے نسیم بہار بن کر اس کی علمی مہک کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا ہے اور جن کی مختلف انداز سے عظیم دینی خدمات ملّتِ اسلامیہ کے لئے نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ بنی ہیں۔ اسے اسلامی تعلیم و ثقافت کے بین الاقوامی مرکز ہونے کی حیثیت حاصل ہے، چناں چہ اس کی علمی عظمت، اور گراں قدر دینی کارناموں کا مسلسل ایک سو سال سے اعتراف کیا جا رہا ہے، مصر کے جلیل القدر عالم علامہ سید رشید رضا نے دارالعلوم دیوبند کو ازہرالہند سے تعبیر کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں کم و بیش پونے دو ہزار طلبا ہر سال زیر تعلیم رہتے ہیں، جن سے نہ صرف یہ کہ کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ ان کی بہت بڑی تعداد کو کھانا، کپڑا، درسی کتابیں، قیام گاہ اور دوسری بہت سی سہولتیں مفت مہیّا کی جاتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا پہلا بجٹ چھ سو روپے سالانہ کا تھا جو اَب رفتہ رفتہ ۲۶ لاکھ روپے تک پہنچ چکا ہے، اس کے تعلیمی اور انتظامی شعبوں میں ڈھائی سو افراد کام کرتے ہیں، دارالعلوم کی عمارتوں کی مجموعی لاگت تقریباً ۲۳ لاکھ روپے ہے، یہ عمارتیں ۹ لاکھ، ۸۵ ہزار مربع فٹ کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں صاحب مثنوی نے دارالعلوم کی نسبت پیش گوئی کرتے ہوئے کہا تھا:

دیوبند، اب ہو گیا دارالعلوم

اس پیش گوئی کے بعد بہت جلد مدرسہ اسلامی دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی حیثیت میں تبدیل ہو گیا، اور اب یہ درس گاہ اپنی عظیم علمی و دینی اور اصلاحی سرگرمیوں کے باعث برّ اعظم ایشیا میں اسلامی تعلیم و ثقافت کے سب سے بڑے مرکز کی حیثیت سے متعارف ہے، مصر کے جامعہ ازہر کے علاوہ اسلامی اور دینی علوم و فنون کی کوئی دوسری درس گاہ ایسی نہیں ہے جو اپنی قدامت، افادیت اور مرجعیت و مرکزیت کے لحاظ سے اتنی اہمیت رکھتی ہو جتنی دارالعلوم دیوبند کو دنیائے اسلام میں حاصل ہے۔ تفصیل کے لیے تاریخ دارالعلوم دیوبند سے مراجعت کی جائے، جو دو جلدوں میں ایک ہزار صفحات پر فوٹو آفسٹ سے شائع ہو چکی ہے۔

(۲) دیوبند اور دارالعلوم میں چولی دامن کا ساتھ ہے، دارالعلوم کا دیوبند سے گہرا تعلق ہے اور دیوبند کی تاریخ دارالعلوم کے مجدو شرف کا ایک حصہ ہے، دیوبند ایک بہت پرانی آبادی ہے، یہ نام "دیوی" اور "بن" سے مرکب ہو کر بنا ہے، پہلے دیوی بن بولا جاتا تھا پھر کثرتِ استعمال سے دِیْبَن بولا جانے لگا اور آخر میں تصرفِ متکلمین سے دیوبند ہو گیا۔

دیوبند، دہلی سے شمال کی جانب ۱۴۴ کلومیٹر پر اترپردیش کی ایک تحصیل ہے، یہاں ایک قدیم قلعے کے آثار بھی پائے جاتے ہیں شہنشاہِ اکبر (۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء - ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) کے عہد میں پختہ اینٹوں سے بنا ہوا ایک قلعہ یہاں موجود تھا، ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں اس کا ذکر کیا ہے۔

دیوبند میں کچھ مسجدیں جو اسلامی عہدِ حکومت کی تعمیر ہیں، اب تک

موجود ہیں، ان میں مسجد قلعہ سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء - ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء) مسجد خانقاہ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ / ۱۵۵۵ء - ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) مسجد ابوالمعالی شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر (۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء - ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء) کے عہد کی یادگار ہیں۔

دارالعلوم کے قیام اور اس کی بقا و ترقی میں اہلِ دیوبند نے جس فراخ حوصلگی، فیاضی اور علم دوستی کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، دیوبند کے اہلِ خیر نے بیرونی طلباء کے قیام و طعام اور دوسری ضروریات میں جس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور دارالعلوم دیوبند کے لئے ترقی کے مواقع بہم پہنچائے وہ اہلِ دیوبند کا ایک ایسا زبردست کارنامہ ہے جس کا مثنوی میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے، اہلِ دیوبند کے دینی جذبات اور دارالعلوم کے ساتھ ان کے غیر معمولی تعلق کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء میں جب کہ دارالعلوم کی شہرت ملک کے بہت سے مقامات تک پہنچ چکی تھی اور اس کے چندہ دہندگان کا دائرہ بھی کافی وسیع ہو چکا تھا اس سال کی آمدنی میں نصف حصہ باشندگانِ دیوبند کا تھا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے، تاریخ دیوبند۔

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء بروز دوشنبہ گنگوہ میں پیدا ہوئے، قرآن شریف وطن میں پڑھ کر اپنے ماموں کے پاس کرنال چلے گئے، وہاں فارسی، عربی، صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء میں دہلی پہنچ کر حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، معقولات کی چند کتابیں

حضرت مولانا مفتی صدر الدین آزردہ سے پڑھیں، آخر میں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی رح کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تکمیل کی، بعد ازاں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح سے بیعت ہو کر سلوک و معرفت کی منزلیں طے کیں اور خلافت سے سرفراز ہو کر گنگوہ میں حضرت شیخ عبد القدوس رح (وفات ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء) کے تاریخی حجرے میں فروکش ہو گئے۔

۱۸۵۷ء میں اپنے مرشد حضرت حاجی صاحب رح اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شاملی کے معرکۂ جہاد میں شریک ہو کر میدانِ جنگ میں خوب دادِ شجاعت دی، معرکۂ شاملی کے بعد گرفتار ہو کر جیل میں چھ ماہ گذارے، جیل سے رہائی کے بعد درس و تدریس اور بیعت و ارشاد میں مشغول ہو گئے، پھر ساری عمر اسی میں گذار دی، سیکڑوں علماء اور مشائخ نے اُن سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا، جن میں حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی مصنف بذل المجہود شرح ابو داؤد حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہم اللہ جیسے یگانۂ روزگار علماء شامل ہیں۔

۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں تیسرے حج کے بعد آپ نے یہ التزام کیا کہ ایک سال کے اندر اندر پوری صحاحِ ستہ ختم کرا دیتے تھے، اُن کے درس کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حدیثِ نبوی پر عمل پیرا ہونے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا، جامع ترمذی کی درسی تقریر کو کب الدری کے

نام سے شائع ہو چکی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود ترمذی کی نہایت جامع شرح ہے، فقہ اور تصوف میں تقریباً ۱۴ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء میں حضرت نانوتوی رح کی وفات کے بعد دار العلوم دیوبند کے سرپرست مقرر ہوئے، مظاہر علوم سہارنپور کو بھی ان کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ میں جمادی الثانی کے مہینے میں بروز جمعہ وفات پائی گنگوہ میں آسودۂ خواب ہیں، ان کے تفصیلی حالات تذکرۃ الرشید میں درج ہیں۔

(۴) مولانا رفیع الدین رح۔ ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے، حضرت شاہ عبد الغنی دہلوی رح کے اجلّہ خلفاء میں تھے، گو علمی حیثیت بہت معمولی تھی لیکن انتظامی امور کا زبردست ملکہ حاصل تھا اور اس بارے میں عجیب و غریب صفات کے مالک تھے۔ اُن کی زندگی میں سادگی کے ساتھ بڑی پختگی پائی جاتی تھی، حضرت مولانا عزیز الرحمن مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کے مرشد تھے، ۱۳۰۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ دو مرتبہ دار العلوم کے مہتمم مقرر ہوئے، پہلی مرتبہ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء و ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں حاجی صاحب رح کے سفرِ حج کے زمانے میں اہتمام کی خدمات انجام دیں، پھر تقریباً ۳ سال کے بعد ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں مستقل مہتمم قرار پائے اور ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء کے اوائل تک اس منصب پر فائز رہے، آپ کے زمانے میں دار العلوم نے بڑی ترقی کی، جس کو بڑی حد تک آپ کے حسن انتظام کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا، کل مدت اہتمام تقریباً ۱۹ سال ہے

دار العلوم کی اکثر ابتدائی عمارتیں آپ ہی کے زمانۂ اہتمام میں تعمیر ہوئیں، ان کے تعمیری ذوق کا اندازہ اس زمانہ کی عمارتوں بالخصوص نودرے وغیرہ کی پختگی، استواری اور حسنِ تعمیر سے کیا جاسکتا ہے یہ عمارت دار العلوم کی عمارتوں میں ایک ممتاز شان اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

(۵) مولانا سید احمد دہلوی رح، جلیل القدر علماء میں سے تھے، منقولات کے ساتھ علوم معقولہ میں امامِ وقت سمجھے جاتے تھے، خصوصاً فن ریاضی و ہیئت میں تو اُن کا آوازۂ شہرت یورپ تک پہنچا ہوا تھا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح فرمایا کرتے تھے کہ "مولوی سید احمد صاحب کو خداوندِ کریم نے فنونِ ریاضی میں وہ استعداد اور مناسبت عطا فرمائی ہے کہ ان فنون کے موجدوں کو بھی شاید اتنی ہی ہو"

قیامِ دار العلوم کے تیسرے سال ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں مدرسِ دوم کی حیثیت سے بلائے گئے، حضرت مولانا محمد یعقوب رح کی وفات پر مسندِ صدارت تفویض ہوئی، جس پر چھ سال تک فائز رہے، اس مدت میں ۲۸ طلباء نے ان سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۸۵ء میں دار العلوم سے علیحدگی اختیار کر کے بھوپال تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

(۶) منشی حاجی سراج الحق، دیوبند کے شیوخ عثمانی میں تھے، قیامِ دار العلوم کے تیسرے سال ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں جب آمد و صرف کا حساب رکھنے کے لئے دفتر قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ان کا تقرر عمل میں آیا، یہ دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے محاسب تھے۔

یکم جمادی الاول ۱۲۸۵ھ کو محاسب بنائے گئے، ان کی امانت و دیانت اور کارکردگی مشہور تھی، تا دمِ آخر ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء تک شعبۂ محاسبی کی خدمت انجام دی، اُن کے فرزند منشی امداد الحق مرحوم بھی طویل مدت تک دفتر محاسبی میں مامور رہے، اُن کے پوتے حافظ مظہر الحق صاحب آج کل دار العلوم میں شعبۂ مطبخ کے ناظم ہیں۔

(۷) منشی نذیر احمد مرحوم، یہ بھی دیوبند کے رہنے والے تھے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں شعبۂ محاسبی میں محررِ دوم کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا، صاحبِ مثنوی نے ان کی نیک بختی، نیک طینتی اور مستعدی کی بڑی تعریف کی ہے، آخر عمر تک دار العلوم کی خدمت انجام دیتے رہے، ۱۶ر شعبان ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء کو انتقال کیا۔

(۸) حضرت حاجی سید محمد عابد رح، دیوبند کے نہایت متقی، پرہیزگار اور صاحبِ اثر بزرگ تھے، تعویذات اور عملیات کے فن میں دُور دُور تک شہرت تھی، دار العلوم کا منصبِ اہتمام اوّلاً آپ ہی کے سپرد ہوا تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی زیر و بم میں فرماتے ہیں ؎

عاملِ کامل، ولی، مردِ خدا — پائے او دریائے فخرِ انبیاء
ہم جمالی ہم جلالی شانِ او — کانِ حلم و مخزنِ خلقِ نکو
نقش و تعویذش مثالِ نقش قدر — فیض او بر خاص و عامی مثلِ بدر

حاجی صاحب رح کا سالِ ولادت ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء ہے، قرآن شریف اور فارسی پڑھ کر علومِ دینیہ کی تعلیم کے لئے دہلی گئے، زمانۂ تعلیم میں تصوف کا شوق دامن گیر ہوا، اور متعدد بزرگوں سے خلعتِ خلافت حاصل کیا۔

میاں جی کریم بخش رامپوریؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ سے بھی شرف خلافت حاصل تھا

۶۰ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا، مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، نمازِ تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ۶۰ سال تک قضا کی نوبت نہیں آئی، صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، رشدو ہدایت اور تذکیر وتزکیۂ قلوب کے علاوہ آپ کو "فن عملیات" میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔

حاجی صاحبؒ دیوبند میں ایک ذی وجاہت، صاحبِ اثر، عابد زاہد ہستی تھے، آپ کی بزرگی کا سکہ دیوبند کے ہر خورد وکلاں مرد وعورت، بچے اور بوڑھے کے دل پر تھا، ان کے روحانی فیض نے دیوبند اور اطراف وجوانب بلکہ دوسرے صوبوں کے لوگوں کے دلوں کو بھی مسخر کر رکھا تھا۔

آپ کے تعویذوں کا روحانی فیض بیماروں پر تریاق کا کام کرتا تھا آپ کی صورت کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، پابندیٔ وضع، استقلالِ طبع اولوالعزمی، خوش تدبیری آپ کی مشہور ہے۔

دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کے علاوہ تین مرتبہ اہتمام آپ کے سپرد ہوا، پہلی مرتبہ یوم تاسیس سے ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء تک، دوسری مرتبہ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء سے ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء تک اور تیسری مرتبہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء تک، مجموعی طور پر یہ مدت ۱۰ سال ہوتی ہے۔

جامع مسجد دیوبند کی تعمیر بھی آپ ہی کی جدوجہد اور سعی وکوشش کا نتیجہ ہے، مصارفِ دارالعلوم کے لئے چندہ کا طریقہ آپ ہی کی ایجاد ہے

اُن کے اثر و وجاہت سے دارالعلوم کو کافی فوائد حاصل ہوئے۔

پنجشنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء کو ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی "مدارالمہام" "بہشتِ بریں" مادۂ سن وفات ہے۔

(۹) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے عہد کی یگانۂ روزگار شخصیت تھے۔ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں آپ کی ولادت ہوئی، سہارنپور کے نواح میں ایک قدیم مردم خیز قصبہ نانوتہ ہے، اسی معدن سے یہ جوہر فرد نکلا، جس کے انوارِ علم نے تیرھویں صدی ہجری کی آخری علمی اور مذہبی مجالس کو منور وتاباں بنا دیا تھا، وطنِ مالوف اور سہارنپور میں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء یعنی ۱۱ سال کی عمر میں دہلی تشریف لے گئے، اور کچھ عرصہ دہلی کالج میں پڑھا، اسی دوران میں اس زمانے کے نامور استاذ حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے منطق وفلسفہ کی تحصیل کی، بعد ازاں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ سے علم حدیث کی تکمیل کی۔

تحصیل علم کے بعد دہلی میں حضرت مولانا احمد علی محدّث سہارنپوریؒ کے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کا کام اختیار کیا، اسی زمانہ میں حضرت محدّث سہارنپوریؒ کی فرمائش پر صحیح بخاری کے باقی ماندہ آخری چند پاروں کے حاشیے کو پورا کیا۔

حضرت نانوتویؒ کی چند خصوصیات نہایت اہم ہیں، اُنھوں نے درس وتدریس کو کبھی حصولِ معاش کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ اپنے معاصرین کی طرح سرکاری ملازمت کرنا پسند کیا، مطابع کی معمولی سی تنخواہ پر ساری عمر بسر کر دی، درس وتدریس کو مدارس سے آزاد رہ کر ہمیشہ

ذاتی طور پر انجام دیا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ برّصغیر میں دینی تعلیم کا احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ہے، اُن کی سعی و توجہ سے دینی تعلیم کے بہت سے مدارس جاری ہو گئے، جن میں اب تک برابر روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، دینی تعلیم اور مدارس کے لئے اُنھوں نے جو رہ نما اصول وضع کئے، عام طور پر دینی مدارس کی بنیاد اُنھیں اصول پر قائم ہے، یہ اُن ہی کی سعی و توجہ کا نتیجہ ہے کہ آج برّصغیر کے گوشے گوشے میں اسلامی علوم و فنون اور مدارس دینیہ کا جال بچھا ہوا ہے۔

دینی علوم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ غیر منقسم ہندوستان میں انھوں نے ملک کی آزادی کی روح پھونکی، انھوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی معیّت میں جنگ شاملی میں دلیرانہ حصّہ لیا اور اپنے بعد اپنے تلامذہ کی ایک ایسی فعّال جماعت چھوڑی جو اَب تک اُن کے نقشِ قدم پر قائم ہے، ان کے علمی، دینی اصلاحی اور سیاسی کارنامے ہندوستان کی دینی تاریخ کا جلی عنوان ہیں۔

حضرت نانوتویؒ نے ۴۹ سال کی عمر میں ۴ رجمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۹۷ھ کو وفات پائی، دار العلوم دیوبند کی شمالی جانب مزار پُر انوار ہے یہ جگہ قبرستانِ قاسمی کے نام سے موسوم ہے، یہاں بے شمار علماء و صلحاء اور طلباء کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگ مدفون ہیں۔

(۱۰) اس جامع مسجد کی بنیاد ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء میں رکھی گئی ہے، چار سال کی مدت میں بن کر مکمل ہوئی، اُسی زمانے میں دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تھا، یہ جامع مسجد نہایت وسیع، کشادہ اور عالی شان ہے

اس کے بلند میناروں سے شہر اور مضافاتِ شہر کا منظر نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے، صحن مسجد میں سنگِ مرمر کا حوض ہے، مسجد کی صدر محراب پر یہ عبارت کندہ ہے۔

"مہتمم تعمیرِ صافیٔ ضمیر حاجی محمد عابد صاحب سلمہ، ساعیٔ این مسجد نقیر عبد الخالق دیوبندی"

صدیق با صفا عمر عادلِ امور
عثمان باحیا علی قاتلِ شرور
خواہی اگر ز سالِ بنا مسجدِ عظیم
یابی ہرا د خود بحسابِ جمیل غفور

۱۲۸۶ھ

مسجد کے مسقّف درجے تین ہیں، اور ہر ایک درجے میں سات سات در اور تین تین گنبد ہیں، مینار ہشت پہلو ہیں، ہر مینار میں چار درجے ہیں، میناروں میں سنگِ سرخ کی سو سو سیڑھیاں ہیں، مسجد کے دالانوں میں تقریباً ۱۲ سو نمازیوں کی جگہ ہے، صحن مسجد کے اطراف میں قدیم طرز پر مدرسہ اور طلباء کے لئے دالان اور حجرے بنائے گئے ہیں، دار العلوم دیوبند اپنے ابتدائی چند سالوں میں اس جامع مسجد میں رہا ہے، مگر جب دار العلوم کی روز افزوں ترقی کے باعث یہ جگہ ناکافی ہو گئی تو اسے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔

مولانا حکیم عبد الحی رحؒ نے اپنے سفرنامہ دہلی اور اُس کے اطراف میں لکھا ہے کہ:-

جامع مسجد کی عمارت قابلِ دید ہے، تین درجے کی مسجد ہے

نہایت عمدہ عمارت ہے، صحن وسیع ہے۔"
(تفصیل کے لئے تاریخ دیوبند سے مراجعت کی جائے)

(۱۱) حضرت مولانا عبدالخالقؒ۔ جامع مسجد دیوبند کی تعمیر کیلئے چندہ فراہم کرنے کا کام انہی کے سپرد تھا، دیوبند کے عثمانی خاندان سے تعلق تھا، ان کے والد مولانا شمس الدینؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلفاء میں سے تھے، مولانا عبدالخالقؒ کو وعظ میں کمال حاصل تھا جامع مسجد کی تعمیر کے لئے چندے کی تحصیل میں اُنھوں نے بڑی خدمات انجام دیں، جامع مسجد کی امامت وخطابت اُن ہی کے اخلاف میں اب تک چلی آرہی ہے۔

جامع مسجد کی تعمیر کے لئے چندے کی ایک اپیل شائع ہوئی تھی، اس میں مولانا عبدالخالقؒ کی ایک مناجات درج ہے جس سے جامع مسجد کے لیے ان کی دل سوزی اور تڑپ کا پتہ چلتا ہے، اس نظم کے چند دعائیہ شعر ملاحظہ ہوں ؎

جامعِ مسجد کو مدت ہو گئی — حیف ہے اب تک نہیں پوری ہوئی
روتے روتے نور آنکھوں سے گیا — ضعف وبیماری سے درماندہ ہوا
میرے غم اور درد کو تو دور کر — اس دلِ مغموم کو مسرور کر
اور اس مسجد کو کر جلدی تمام — ناتمامی کا رہے اس پر نہ نام
عبدِ خالق ہے اسی غم میں اسیر — دے خلاصی مجھ کو اے ربِّ قدیر
عبدِ خالق اس قدر حیران ہے — خانۂ دل گویا بس ویران ہے

تاریخِ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

---

(۱۲) حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ۔ ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ کو نانوتہ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید وطن میں حفظ کیا۔ محرم ۱۲۶۰ھ میں جب کہ ان کی عمر ۱۱ سال کی تھی اُن کے والد ماجد اُنھیں دہلی لے گئے، گلستاں اور میزان منشعب سے ان کی تعلیم شروع ہوئی، پھر اپنے والد ماجد حضرت مولانا مملوک علی سے علوم متداولہ کی تحصیل کی، حدیث کیلئے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کیا۔

۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں والد ماجد کے انتقال کے کچھ عرصے کے بعد اجمیر کے گورنمنٹ کالج میں ان کا تقرر ہوگیا، اُس وقت ان کی عمر بہت کم تھی، پرنسپل نے دیکھ کر کہا "مولوی تو اچھا ہے مگر نو عمر کم سن ہے"۔ بعد ازاں پرنسپل کی سفارش پر محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر بنائے گئے، جب ۱۸۵۷ء کا خونین انقلاب ہوا تو آپ سہارنپور میں تعینات تھے۔ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس بنایا گیا وہ دارالعلوم کے پہلے شیخ الحدیث تھے، علوم معقول ومنقول میں ماہرانہ دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ صاحب باطن اور شیخ کامل بھی تھے، انھوں نے جو خطوط اپنے مرید منشی محمد قاسم نیانگری کے نام لکھے ہیں وہ سلوک ومعرفت کا مرقع ہیں اور حقائقِ تصوف کا دستور العمل ہیں۔

اُنھوں نے دو حج کئے، پہلا حج ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی معیت میں کیا گیا، مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ اور حاجی محمد عابد دیوبندیؒ بھی ساتھ تھے، یہ سفر پنجاب اور سندھ کے

راستے سے کیا گیا، بیاضِ یعقوبی میں خود انھوں نے اس سفر کی مفصل یادداشت لکھی ہے، دوسرے حج کے لئے ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں تشریف لے گئے اس مرتبہ بھی علماء کی ایک بڑی جماعت کی معیت رہی، مولانا نانوتویؒ مولانا گنگوہیؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ، مولوی حکیم ضیاء الدین رام پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ وغیرہ حضرات کے علاوہ اس مقدس قافلے میں تقریباً سو آدمی تھے۔

مولانا محمد یعقوبؒ شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، گمنامؔ تخلص تھا، انھوں نے دہلی میں بزمانۂ طالب علمی غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، صہبائیؔ اور آزردہؔ جیسے یگانۂ روزگار شعراء کو دیکھا تھا، اور اُن کی مجالسِ سخن کے ہنگاموں سے اُن کے کان آشنا تھے، اپنے ایک خط میں منشی محمد قاسم نیانگری کو مشورہ دیا ہے کہ وہ دردؔ، سوداؔ، اور ذوقؔ کے کلام کو پڑھا کریں، اس میں درد و اثر ہے، مولانا کا فارسی اور اردو کلام بیاضِ یعقوبی میں درج ہے، اشعار میں قدرتِ کلام کے ساتھ سوز و گداز اور درد و اثر پایا جاتا ہے۔

مکتوباتِ یعقوبی کے خطوط استفسارات کے جواب میں لکھے گئے ہیں، ان میں راہِ سلوک کی دشواریوں کا حل، مسائلِ شرعیہ کا ذکر اور طریقت و سلوک کا دستور العمل بیان کیا گیا ہے، مکتوباتِ یعقوبی کے آخر میں بیاضِ یعقوبی ہے، یہ سفرِ حج کے حالات، کتبِ احادیث کی اسانید، منظومات، عملیات وغیرہ پر مشتمل ہے، آخیر میں طبی نسخے درج ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دونوں مجموعوں پر

حسبِ ضرورت حواشی تحریر فرمائے ہیں۔

تفصیل کے لئے تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم سے مراجعت کی جائے۔

(۱۳) شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا سلسلۂ نسب ۲۵ واسطوں سے سلسلۂ تصوف کے مشہور بزرگ حضرت ابراہیم بن اُدہمؒ سے ملتا ہے، ان کا وطن تھانہ بھون تھا، ۲۲ صفر المظفر ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء کو اپنی ننھیال نانوتہ میں پیدا ہوئے، والد ماجد نے امداد حسین نام رکھا، حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ نے امداد حسین کے بجائے امداد اللہ تجویز فرمایا اور پھر اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

مولانا محمد قلندرؒ سے حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح کا کچھ حصہ اور حصنِ حصین پڑھی، مولانا عبد الرحیم نانوتویؒ سے فقہ اکبر کی تحصیل کی یہ دونوں استاد حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے، حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے سلوک و معرفت کے مراتب طے کئے۔

۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں حج کیا، مکہ مکرمہ میں حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے، ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب میں حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ وغیرہم کو ساتھ لے کر شاملی کی تحصیل پر مردانہ وار حملا کر کے فتح حاصل کی، آپ آگے بڑھنا چاہتے تھے مگر بدقسمتی سے ہندوستان کے عوام اس وقت اپنی طاقت کو متحد اور منظم نہ کر سکے

اس لئے دہلی کی جانب بڑھنے میں کامیابی نہ ہوسکی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کا غلبہ ہو جانے پر آپ مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔

حضرت شیخ المشائخ رح نے مغلوں کے زوال اور انگریزوں کے اقتدار سے متاثر ہو کر روحانیت اور سیاست کے امتزاج سے ایک ایسی جماعت تیار کی تھی جو ایک طرف علم و عرفان اور رشد و ہدایت کی روشن شمع تھی اور دوسری طرف جنگ و پیکار کی شہسوار تھی، جس نے آگے چل کر ملک کی سیاست میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے، گذشتہ سوا سو سال میں اس جماعت نے اپنے علم و عمل اور رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ ۱۸۵۷ء کے معرکۂ شاملی سے لے کر ۱۹۴۷ء تک حصولِ آزادی کیلئے ملک و ملت کی جو زبردست خدمات انجام دی ہیں اور سیاسی غلامی کی فضا میں ذہن و فکر کی آزادی کو فروغ دینے کے لئے جو کامیاب جدوجہد کی ہے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آپ اپنی مثال ہے!

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رح، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح، حضرت مولانا منصور انصاری رح، حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ دہلوی رح، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رح وغیرہم حضرات کے اسمائے گرامی سیکڑوں میں چند مثالیں ہیں۔

ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں حضرت شیخ المشائخ کے گرد بہت جلد علماء و مشائخِ طریقت کا ہجوم ہوگیا، مثنوی مولانا روم رح کا اکثر درس جاری رہتا، ۴۱ سال مکہ مکرمہ میں قیام رہا، یہ پوری مدت مسترشدین کی تربیتِ باطنی

اور استفاضے میں گذری، اُن کے حلقۂ ارادت میں ہندوستان کے علاوہ بہت سے ملکوں کے بے شمار لوگ شامل تھے، مکہ مکرمہ میں ممالکِ اسلامیہ کے جو مشائخِ طریقت مقیم تھے اُن سب میں حضرت شیخ المشائخ کو امتیازی مقام حاصل تھا، اکثر دوسرے سلاسلِ تصوف کے مشائخِ طریقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔

حضرت شیخ المشائخ نے مکہ مکرمہ میں ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء کو ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی، مکہ مکرمہ کا قبرستان جنت المعلیٰ اُن کی ابدی آرام گاہ ہے۔

(۱۴) مولوی عبد الرحیم۔ املیا کے رہنے والے تھے، یہ مولانا عبد الکریم فروغ کے والد ماجد تھے، اُن کے اسلاف بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں دیوبند سے ترکِ وطن کر کے املیا میں مقیم ہوگئے تھے، دیوبند میں شیوخ کے تین سلسلے ہیں، صدیقی، عثمانی اور انصاری۔ شیوخ صدیقی کا خاندان دیوبند اور املیا میں آباد ہے یہ ایک معزز خاندان ہے، کئی نسلوں تک اس خاندان میں علم متوارث رہا ہے۔

(۱۵) مولوی فضل عظیم نے ۱۹۴۳ء میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی، اس لئے ان کا سال پیدائش ۱۸۵۳ء سمجھنا چاہئے، وعظ میں اُنھیں اچھا ملکہ حاصل تھا، قصبہ مراد نگر ضلع میرٹھ میں عیدین کی خطابت و امامت کرتے تھے، یہ مولانا عبد الکریم فروغ کے چھوٹے بھائی تھے، ان کا انبالہ (مشرقی پنجاب) میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

(۱۶) سید احمد۔ املیا کے خاندانِ سادات سے تھے، صاحبِ مثنوی کے گہرے دوست تھے۔

(۱۷) مولوی نہال احمد۔ یہ بھی املیا کے رہنے والے تھے، اور صاحبِ مثنوی کے چچازاد بھائی تھے۔

(۱۸) منشی محمد قاسم نیانگری۔ نیانگر نواح اجمیر کے رہنے والے تھے، صاحبِ مثنوی مولانا عبدالکریم فروغ کے پیر بھائی تھے، مکتوباتِ یعقوبی میں بیشتر خطوط ان ہی کے نام ہیں، مکتوباتِ یعقوبی بقول پروفیسر محمد ایوب قادری: "یہ خطوط چشتی سلسلے کے مشہور شیخ مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی (وفات ۸۰۸ھ / ۱۴۰۵ء) کے مکتوبات کا مختصر اردو ایڈیشن معلوم ہوتے ہیں، ان خطوط کا مقصود اتباعِ سنت اور اطاعتِ خداوندی ہے"۔ (مولانا محمد احسن نانوتوی مطبوعہ جاوید پریس کراچی ص ۱۹۷)

مکتوباتِ یعقوبی ان ہی کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ہے، جسے انھوں نے ملفوظاتِ یعقوبی کے نام سے موسوم کیا تھا، اس کے شروع میں دیباچہ خود ان کے قلم کا لکھا ہوا ہے، منشی محمد قاسم صاحب کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۱۹) مولوی ناصر علی۔ دیوبند کے محلہ ابوالمعالی کے رہنے والے تھے، ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی دیہات میں وعظ کہا کرتے تھے۔

(۲۰) محمد صادق کے والد شیخ رجب علی حضرت سید احمد شہیدؒ کے رفقاء میں سے تھے، دیوبند کی عیدگاہ کے خطیب مولانا

محمد مبین (وفات ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) ان کے بھتیجے تھے، مولانا محمد مبین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی انقلابی جماعت کے مخصوص رکن تھے، جماعت کی سیاسی اور انقلابی سرگرمیوں کے لئے سرمایہ کی فراہمی کا کام اُن ہی کے سپرد تھا، دیوبند کے مشہور بزرگ مولوی عظمت علی جن کا مزار مسجد کمال شاہ کے متصل ہے، شیخ محمد صادق کے قریبی عزیز تھے۔

(۲۱) حافظ انوار الحق۔ ان کا عرف حافظ کلّو تھا، ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے، دیوبند کے شیوخ عثمانی میں سے تھے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ سے شرفِ بیعت حاصل تھا اور حضرت کے مخصوص خدام میں ان کا شمار ہوتا تھا، ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں حضرت نانوتویؒ کے آخری حج میں ساتھ تھے، پابندی سے ہر سال تراویح میں قرآن مجید سناتے تھے، حافظ لطافت علی جن کا مزار شیخ پورہ (نواح سہارنپور) میں ہے، اُن کے بڑے بھائی تھے، ۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا، قبرستانِ قاسمی میں مدفون ہیں۔

(۲۲) مولانا عبدالمومن۔ دیوبند کے شیوخ عثمانی میں سے تھے، ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے دورۂ حدیث پڑھا، ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء کے جلسہ دستار بندی میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دستِ مبارک سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔

اہل میرٹھ کی خواہش پر آپ وہاں تشریف لے گئے اور تمام

عمر وہیں درس وتدریس اور افتاء کے کام میں گزاری، پہلے مدرسہ قومیہ کے صدر مدرس ہوئے، پھر مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ میں صدر مدرس رہے۔

بڑے ذہین وذکی اور وسیع النظر عالم تھے، آخر عمر میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں نوکِ زبان ہو گئی تھیں۔ صاحبِ نسبت بزرگ تھے، زندگی کا انداز متوکلانہ تھا، میرٹھ میں اُن سے بڑا علمی فیض جاری ہوا، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مترجم قرآن مجید نے شروع سے آخر تک اُنہی سے پڑھا، حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رح اور حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کو بھی اُن سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، دارالعلوم دیوبند کے درجاتِ حدیث کے سالانہ امتحانات میں ممتحن ہوتے تھے۔

۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء میں وفات پائی، اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ رح دہلی میں دفن ہوئے۔

(۲۳) حاجی حمد اللہ۔ املیا کے رہنے والے تھے اور صاحبِ مثنوی کے برادر عم زاد تھے۔

(۲۴) شیخ احمد۔ حضرت نانوتوی رح کے برادرِ نسبتی اور دیوبند کے مشہور رئیس شیخ نہال احمد کے بھائی تھے۔ شیخ نہال احمد دارالعلوم دیوبند کے خاص معاونین میں سے تھے، قیامِ دارالعلوم کے اعلان میں اُن کا نام بھی شامل ہے، اُن کے اجداد میں دیوان لطف اللہ شاہجہاں بادشاہ (۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء - ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء) کے عہد میں دوآبہ کے علاقہ کے دیوان (محصّل مال گزاری) تھے، ان کی عظیم الشان حویلی کا

عالی شان دروازہ جو "دیوان" کہلاتا ہے، مغل طرزِ تعمیر کا شاندار نمونہ ہے۔

(۲۵) منشی قمرالدین حسن۔ دیوبند میں ان کا خاندان "منداوالے" کے نام سے موسوم ہے، برطانوی عہد حکومت میں تحصیل دار تھے ۱۹۰۳ء میں تحصیلداری سے ریٹائر ہوئے، ان کی بنائی ہوئی شاندار حویلی محلہ ابوالمعالی میں واقع ہے، ریلوے روڈ پر ایک مسجد فاطمہ مسجد کے نام سے منشی قمرالدین حسن نے اپنی اہلیہ کی جانب سے تعمیر کرائی تھی۔

(۲۶) ضیاء احمد۔ شیخ احمد حسن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اُن کے فرزند تھے۔

(۲۷) شیخ صدیق۔ ان کا پورا نام شیخ صدیق علی ہے املیا کے رہنے والے تھے، وکالت کرتے تھے، مولانا فروغ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

(۲۸) نیاز احمد ذکی۔ یہ بھی املیا کے رہنے والے اور صاحبِ مثنوی کے خاندان سے تھے۔

(۲۹) مطبع نظامی کانپور۔ ہندوستان میں ابتداءً جو مطابع قائم ہوئے اُن میں سے مطبع نظامی کانپور بھی تھا۔ یہ مطبع ۱۸۵۴ء / ۱۲۷۱ھ میں عبدالرحمٰن خاں شاکر نے قائم کیا تھا، مطبع نظامی نے اپنے دور میں کتابوں کے چھاپنے کا بڑا کام کیا ہے جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو مطبع نظامی کانپور نے اپنی مطبوعات سے دارالعلوم کی بڑی مدد کی تھی، دارالعلوم دیوبند کی

ابتدائی رودادوں میں تفصیل سے ان کا ذکر ملتا ہے، مطبع نظامی کی بہت سی کتابیں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہیں، عبدالرحمن خاں شاکر کا ایک فارسی قطعہ تاریخ وفات جو انھوں نے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات پر لکھا ہے، مثنوی فروغ کے آخر میں درج ہے۔ قطعہ تاریخ یہ ہے ؎

آہ قاسم علی نقیہِ زماں — عاشق حضرتِ شفیعِ اُمم
پنجشنبہ جمادی الاولیٰ — بچہارم روانہ شد بارم
باز احمد علی وحید العصر — حامیٔ شرع سیدِ عالم
در ہمیں ماہ و روزِ شنبہ بود — بششم درجناں نہاد قدم
ایں دو علامۂ زماں بودند — حاجی و نفقہ داں فرشتہ شیم
در غم ایں دو مہرِ شرعِ رسول — شد بروئے زمیں بپا ماتم

کلکِ شاکر نوشت ایں تاریخ
رضی اللہ عنہما دائم

۱۲۹۷ھ

خاتمۂ سخن

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مال و دولت کے خزانے اور سیم وزر کے انبار تو ہمیشہ زمین کے نیچے اور آہنی تجوریوں اور تالوں میں پوشیدہ رکھے گئے ہیں اور اس طرح خبر نہیں کتنے دفینے اور خزینے زمیں کھاگئی اور کتنے مکانات و محلات اور بام و در زمین میں دب کر رہ گئے مگر یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ علم و ادب کے جواہرات بھی اکثر عوام و خواص کی نظروں سے بہت دور جا پڑتے ہیں، اس طرح کے جو علمی سرمائے کتبخانوں اور لائبریریوں میں آگئے وہ تو کسی نہ کسی حد تک محفوظ ہو گئے، لیکن ذاتی ملکیتوں اور گھروں میں اُنھیں محفوظ نہ رکھا جاسکا اور آخر کار وہ پردۂ عدم میں چھپ گئے۔

شعر و ادب کے انہی نوادرات میں سے یہ مثنوی فروغ بھی ہے جو اپنے وقت پر چھپی اور اپنی عمر پوری کر کے ختم ہو گئی، ہمارے مکرم مولانا سید محبوب رضوی نے جن کے فکر و تلاش کی عقابی نگاہیں کتب خانوں کی الماریوں اور کتابوں کے ڈھیر سے اچھی اچھی چیزیں منتخب کر لینے کی عادی ہیں، اس تاریخی اور ادبی منظومہ کو تلاش کیا اور اب ترتیب جدید کے ساتھ یہ منظر عام پر آرہا ہے۔ مصنف مولانا عبدالکریم دیوبند کے ایک باعزت

خاندان کے فرد تھے، خود صاحبِ علم تھے، تصوف و طریقت کی وادیوں میں بھی خوب گھومے پھرے تھے، دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اوّل حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحہ کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے اور علم و روحانیت کی اس عظیم القدر ہستی سے وابستگی اس کا ثبوت ہے کہ مولوی عبدالکریم فروغ بھی باکمال شخصیت کے مالک تھے۔

اس مثنوی کا لب و لہجہ بڑا خوشگوار میٹھا اور رسیلا ہے مثنوی ایک ایسی صنفِ شاعری ہے جو نوآموز شعراء کے بس میں نہیں آتی۔ مثنوی کی مختصر بحر میں سلاست بیان اور خوبصورتی کے ساتھ رزم و بزم کی کسی داستان کو بیان کرنے کے لئے شاعری کی پوری مشق و مزاولت اور قدرت کلام کی ضرورت ہوتی ہے، یہی خصوصیات ہیں جن کی بنا پر مثنوی سحرالبیان مصنفہ میر حسن، مثنوی گلزارِ نسیم، مثنوی گلزارِ ابراہیم مثنوی یوسف زلیخا اور غالب و میر کی مثنویوں کو اردو ادب میں شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اور ان کی تازگی، لذت اور شیرینی میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔

زیرِ نظر مثنوی جہاں شعر و ادب کا ایک دل کش نمونہ ہے وہاں اس کی یہ تاریخی حیثیت بھی اہم اور قابلِ قدر ہے کہ اس میں دارالعلوم کے اس دور کے حالات، وقت کے مایۂ ناز بزرگوں اور دیوبند کے بہت سے معززین کے کوائف بیان کئے گئے ہیں، اس طرح ہم سے پہلی نسل کے متعدد حضرات

کے نام اس مثنوی کے ذریعہ معلوم و محفوظ ہو گئے۔

اب سید صاحب نے تلاش و محنت کے بعد مثنوی میں مذکور اشخاص کے حالات معلوم کئے اور ان پر تعارفی نوٹ لکھے گویا اس مثنوی کے ذریعہ دیوبند کے بہت سے مرحومین کے حالات اور اون کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔

سید صاحب نے طبع جدید میں تحقیق اور تعلیق کا بطور خاص اہتمام فرمایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مثنوی فروغ کا موجودہ ایڈیشن ادب و تاریخ کے شائقین کے لئے ایک دلنواز تحفہ ہوگا اور وہ اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے۔

حق تعالیٰ مصنف مرحوم مولانا عبدالکریم فروغ اور ان کے ممدوحین و متعارفین کو آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں۔

سید محمد ازہر شاہ قیصر
مدیر رسالہ دارالعلوم دیوبند
۸ شعبان ۱۳۹۸ھ

کتابیات

جن سے حواشی کے لکھنے میں مدد لی گئی ہے

(۱) اپیل تعمیر جامع مسجد دیوبند۔ حضرت حاجی سید محمد عابدؒ
مہتمم تعمیر جامع مسجد دیوبند۔

(۲) انوار قاسمی ۔ مولانا انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم
مطبوعہ لاہور

(۳) تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ سید محبوب رضوی،
شائع کردہ اہتمام دارالعلوم دیوبند

(۴) تاریخ دیوبند۔ (جدید ایڈیشن) سید محبوب رضوی
مطبوعہ آزاد پریس دیوبند

(۵) تذکرۃ الرشید۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

(۶) تذکرۃ العابدین ۔ مولوی نذیر احمد دیوبندی مرحوم، مطبوعہ
دہلی پرنٹنگ پریس دہلی سنہ ۱۳۳۳ھ

(۷) جغرافیہ ہندوستان۔

(۸) رجسٹر ہائے داخلہ دارالعلوم دیوبند۔ غیر مطبوعہ
محفوظ محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند

(۹) روداد ہائے دارالعلوم دیوبند۔

(۱۰) سوانح قاسمی ۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی
مطبوعہ نیشنل پریس دیوبند

(۱۱) شجرہ شیوخ صدیقی املیا۔ شیخ زادگان املیا غیر مطبوعہ
(یہ شجرہ راقم سطور کے پاس محفوظ ہے)

(۱۲) شجرہ ساداتِ رضویہ دیوبند۔ مرتبہ سید محبوب رضوی
مطبوعہ محبوب پریس دیوبند

(۱۳) شمائم امدادیہ۔ مرتبہ حکیم محمد مرتضیٰ خاں، ناشر کتب خانہ
شرف الرشید شاہ کوٹ (پاکستان)

(۱۴) مثنوی زیر و بم ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند

(۱۵) مکتوبات یعقوبی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
مرتبہ منشی محمد قاسم نیانگری

(۱۶) مولانا محمد احسن نانوتویؒ۔ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری
مطبوعہ جاوید پریس کراچی

تاریخ دار العلوم دیوبند

دار العلوم دیوبند نے ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی دینی بیداری کیلئے جو اہم کردار پیش کیا ہے اس کا سبھی نے اعتراف کیا ہے، برصغیر میں تیرھویں صدی کے اواخر سے دار العلوم دیوبند کو دینی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے سب سے بڑے تعلیمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے، بلاشبہ دار العلوم دیوبند برصغیر کے مسلمانوں کا سب سے بڑا دینی اور تعلیمی کارنامہ ہے، دار العلوم دیوبند نے دینی تعلیم اور اسلامی روایات کی صالح قدروں کو علم و عمل اور رشد و ہدایت کے باہمی امتزاج کے ساتھ نہ صرف باقی رکھا ہے بلکہ اُن کی ترویج و اشاعت کا عظیم الشان کام کیا ہے۔

گزشتہ ایک صدی میں اسلامی تعلیم و ثقافت کے اس مرکز اور ملت کی نشاۃ ثانیہ کے اس سرچشمے نے برصغیر میں دینی اور علمی قیادت کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے، دار العلوم دیوبند نے مسلمانوں کے قابل فخر ماضی کو زندہ رکھنے، حال کو دینی توانائی بخشنے اور مستقبل کو اسلامی قدروں کے مطابق روشن اور تابناک بنانے کیلئے جو قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے وہ اس کا ایسا سرمایۂ افتخار ہے جسے ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

تاریخ دار العلوم دیوبند میں دار العلوم دیوبند کے دینی و تعلیمی کارناموں، تبلیغی کاوشوں اور سیاسی سرگرمیوں کو تفصیل کے ساتھ محققانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے، دار العلوم دیوبند کے تعلیمی اور انتظامی کاموں کی تفصیل، نصاب تعلیم کی خصوصیات، پُرشکوہ عمارتوں کا تعارف اور ان کے فوٹو بھی شامل ہیں اور اُن جلیل القدر علماء کے حالات بھی پیش کیے گئے ہیں جن کے علمی فیضان سے آج دنیائے اسلام کا بڑا حصہ روشنی اور رہنمائی حاصل کر رہا ہے، تاریخ دار العلوم دیوبند کے شروع میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کا ایک طویل اور معرکۃ الآراء مقدمہ زیب کتاب ہے۔ تاریخ دار العلوم دیوبند سید محبوب صاحب رضوی کی برسہا برس کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے، فوٹو آفسیٹ کی خوبصورت طباعت عمدہ کاغذ اور رنگین کی دیدہ زیب جلد قیمت جلد اول و دوم کردیے

ختم شد

محفوظات شاہی کتب خانہ دیوبند